قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

منگل 21 جون 2022ء | 21 ذوالقعدہ 1443 ہجری قمری | 21 احسان 1401 ہجری شمسی | جلد: 4 | شمارہ: 123

ارشاد باری تعالیٰ

یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۳۱﴾

(یٰسٓ: 31)

ترجمہ: وائے حسرت بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر وہ اس سے ٹھٹھا کرنے لگتے ہیں۔

فرمان خلیفہ وقت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پس یہ ایک اصولی معیار ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس معیار کو اپنی سچائی کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ: ’’صادق کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک اور نشان بھی قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو فرمایا کہ اگر تو مجھ پر تَقَوَّلَ کرے تو میں تیرا داہنا ہاتھ پکڑ لوں۔ اللہ تعالیٰ پر تَقَوَّلَ کرنے والا مفتری فلاح نہیں پا سکتا بلکہ ہلاک ہو جاتا ہے اور اب پچیس سال کے قریب عرصہ گزرا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحی کو میں شائع کر رہا ہوں۔ اگر افتراء تھا تو اس تَقَوَّلَ کی پاداش میں ضروری نہ تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرتا؟ بجائے اس کے کہ وہ مجھے پکڑتا اس نے صدہا نشان میری تائید میں ظاہر کئے اور نصرت پر نصرت مجھے دی۔ کیا مفتریوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا کرتا ہے؟ اور دجالوں کو ایسی ہی نصرت ملا کرتی ہے؟ کچھ تو سوچو۔ ایسی نظیر کوئی پیش کرو اور مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہرگز نہ ملے گی۔‘‘

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 89 جدید ایڈیشن)

(خطبہ جمعہ 30 جنوری 2009ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا۔ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (منظوم)
- ’’اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے‘‘
- قرآنی انبیاء۔ تو سردار جمیع انبیاء ہے
- جام لقاء پلا دے
- اطاعت خلافت، کامرانی کی کلید

فرمان رسول ﷺ

اگر اس وقت زمین میں خلیفۃ اللہ کو دیکھو تو اس سے وابستہ ہو جاؤ خواہ تمہارا جسم لہولہان ہو جائے اور تیرا مال لوٹ لیا جائے اور اگر خلیفۃ اللہ کو نہ دیکھو تو زمین میں کہیں بھاگ جاؤ خواہ تمہاری موت اس حالت میں ہو کہ تمہیں (جنگلوں میں) درخت کی جڑیں کھا کر گزارا کرنا پڑ رہا ہو۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 403)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

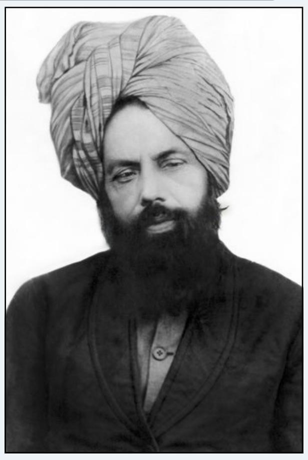

اللہ تعالیٰ کس طرح آپؐ سے بھی تائیدات کا سلوک فرماتا رہا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

’’یاد رہے کہ پانچ موقعے آنحضرت ﷺ کے لئے نہایت نازک پیش آئے تھے جن میں جان کا بچنا محالات سے معلوم ہوتا تھا۔ اگر آنجناب درحقیقت خدا کے سچے رسول نہ ہوتے تو ضرور ہلاک کئے جاتے۔ ایک تو وہ موقع تھا جب کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا اور قسمیں کھالی تھیں کہ آج ہم ضرور قتل کریں گے۔ (2) دوسرا وہ موقع تھا کہ جب کافر لوگ اس غار پر مع ایک گروہ کثیر کے پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت ﷺ مع حضرت ابوبکرؓ کے چھپے ہوئے تھے۔ (3) تیسرا وہ نازک موقع تھا جبکہ احد کی لڑائی میں آنحضرت ﷺ اکیلے رہ گئے تھے اور کافروں نے آپؐ کے گرد محاصرہ کر لیا تھا اور آپؐ پر بہت سی تلواریں چلائیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ (4) چوتھا وہ موقع تھا جبکہ ایک یہودیہ نے آنجناب کو گوشت میں زہر دے دی تھی اور وہ زہر بہت تیز اور مہلک تھی اور بہت وزن اس کا دیا گیا تھا۔ (5) پانچواں وہ نہایت خطرناک موقع تھا جبکہ خسرو پرویز شاہ فارس نے آنحضرت ﷺ کے قتل کے لئے مصمم ارادہ کیا تھا اور گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی روانہ کئے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ان تمام پُرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دشمنوں پر آخر کار غالب ہو جانا ایک بڑی زبردست دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت آپؐ صادق تھے اور خدا آپؐ کے ساتھ تھا۔‘‘

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 263-264 حاشیہ)

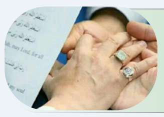

دربارِ خلافت

اسباب پرستی بھی شرک ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں (الانعام:152-154۔ ناقل)، ان دو تین آیات میں بھی اُن احکامات میں سے چند احکامات بیان ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے چند باتوں کی طرف، چند احکامات کی طرف توجہ دلائی ہے جو خدا تعالیٰ کا قرب دلانے والے ہیں، تقویٰ پر چلانے والے ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ترجمہ میں پڑھ کر سنا دیا تھا ہر ایک پر واضح ہو گیا ہو گا کہ کیا احکامات ہیں۔ یاد دہانی کیلئے دوبارہ بتا دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سب سے پہلے تو یہ بات یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ پھر فرمایا والدین سے حسنِ سلوک کرنا انتہائی اہم چیز ہے اس کو کبھی نہ بھولو اور بدسلوکی تم پر حرام ہے۔ تیسری بات یہ کہ رزق کی تنگی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ پھر یہ کہ مخفی اور ظاہر ہر قسم کی بے حیائیوں سے بچو، بلکہ اُن کے قریب بھی نہیں جانا۔ پانچویں بات یہ کہ کسی جان کو قتل نہ کرو، سوائے اس کے کہ جسے اللہ نے جائز قرار دے دیا ہو۔ اور اُس کی بھی آگے تفصیلات ہیں کہ کیا، کس طرح جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ ساتویں بات یہ کہ جب یہ لوگ بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر اُن کے مال اُنہیں لَوٹا دو۔ پھر کوئی بہانے نہ ہوں۔ آٹھویں بات یہ کہ ماپ تول میں انصاف کرو۔ پھر یہ کہ ہر حالت میں عدل سے کام لو۔ کوئی عزیز داری، کوئی قرابت داری تمہیں عدل سے نہ روکے، انصاف سے نہ روکے۔ دسویں بات یہ کہ اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ جو عہد تم نے کئے ہیں اُن کو پورا کرو۔ اور پھر یہ کہ ہر حالت میں صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی کوشش کرتے چلے جاؤ۔ تو یہ وہ خاص اہم باتیں ہیں اور پھر ان کی جزئیات ہیں۔ ان باتوں پر چل کر انسان تقویٰ کی راہوں پر چلنے والا کہلا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے والا کہلا سکتا ہے۔

سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے، بلکہ حکم دیا کہ ایسی بات کبھی تم سے سرزد نہ ہو تم پر یہ حرام ہے کہ خدا تعالیٰ کا شریک کسی کو ٹھہراؤ۔ اُس ہستی کے ساتھ تم شریک ٹھہراؤ جو تمہارا رب ہے، جو تمہارا پیدا کرنے والا ہے، جو تمہاری دماغی، جسمانی، مادی، روحانی صلاحیتوں کی پرورش کرنے والا ہے، جو تمام نعمتوں کو مہیا کرنے والا ہے۔ پس کون عقلمند ہے جو ایسی طاقتوں کے مالک خدا اور ایسی نعمتیں مہیا کرنے والے خدا کا کسی کو شریک بنائے۔ لیکن لوگ سمجھتے نہیں اور شریک بناتے ہیں۔ گہرائی میں جا کر شرک کے مفہوم کو نہیں سمجھتے اور ایسے عظیم خدا کے مقابلے پر خدا کھڑے کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ہر زمانے میں لوگوں میں یہ حالت پیدا ہوتی رہی ہے۔ اسی لئے انبیاء جب آتے ہیں تو سب سے پہلے شرک کی تعلیم کے خلاف بات کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شرک ایسا گناہ ہے کہ اس کو مَیں نہیں بخشوں گا۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام توجہ دلاتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’ہر ایک گناہ بخشنے کے قابل ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سوا اَور کو معبود و کارساز جاننا ایک ناقابل عفو گناہ ہے۔‘‘ یعنی یہ معاف نہیں ہو گا۔ ’’اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ (لقمان:14) لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ (النساء:49) یہاں شرک سے یہی مراد نہیں کہ پتھروں وغیرہ کی پرستش کی جاوے۔ بلکہ یہ ایک شرک ہے کہ اسباب کی پرستش کی جاوے اور معبوداتِ دنیا پر زور دیا جاوے۔‘‘ دنیا میں جو بہت ساری چیزیں، جن سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے، اُن کی طرف توجہ ہو جائے۔ ’’اسی کا نام شرک ہے۔ اور معاصی کی مثال‘‘ یعنی گناہ جو ہیں، عام گناہ اُن کی مثال ’’توحُقّہ کی سی ہے کہ اس کے چھوڑ دینے سے کوئی دقت ومشکل کی بات نظر نہیں آتی۔ مگر شرک کی مثال افیم کی ہے کہ وہ عادت ہو جاتی ہے جس کا چھوڑنا محال ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 344۔ ایڈیشن 2003ء)

(خطبہ جمعہ 26/ جولائی 2013ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا۔صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

(کلام حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ)

میرے آقا مرے نبیٔ کریم
بانیٔ پاک باز دینِ قویم

شان تیری گمان سے بڑھ کر
حسن و احسان میں نظیرِ عدیم

تیری تعریف اور میں ناچیز
گنگ ہوتی ہے یاں زبانِ کلیم

تیرا رتبہ ہے فہم سے بالا
سرنگوں ہو رہی ہے عقلِ سلیم

مدح تیری ہے زندگی تیری
تیری تعریف ہے تری تعلیم

ساری دنیا کے حق میں رحمت ہے
سب پہ جاری ہے تیرا فیضِ عمیم

بند کر کے نہ آنکھ منہ کھولے
کاش سوچے ذرا عدوِ لئیم

حق نے بندوں پہ رحم فرمایا
اک نمونہ بنا کے دکھلایا

اسوۂ پاک خلق ربانی
منتہائے کمال انسانی

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

(درعدن صفحہ 10-13 ایڈیشن 2008ء)

اداریہ

”اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے“

”یہ (اولاد) سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں“ (حضرت مسیح موعودؑ)

گزشتہ دنوں سوشل میڈیا پر پاکستان میں موجودہ سیاست کے کلچر میں گالی گلوچ کو پروان چڑھتے اور نوجوانوں کی اخلاقیات کے تباہ ہونے کے امکانات کے حوالے سے ایک میسج گردش کرتے دیکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ المیہ یہ نہیں کہ سیاست میں بڑھتے ہوئے گالم گلوچ کے کلچر سے نوجوان بگڑ رہا ہے اور ان کے اخلاق تباہ ہو رہے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ زیادہ فکر والی بات ہے کہ ہم مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے آوارہ، بگڑے ہوئے اور گالم گلوچ کرنے والے ماں باپ سوسائٹی میں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ ابھی خاکسار اس پوسٹ کے حوالے سے اپنے ذہن میں منتشر خیالات کو یکجا کرنے میں مصروف تھا کہ ملفوظات کے مطالعہ کے دوران اولاد کے حوالے سے چند اقتباسات خاکسار کی نظر سے گزرے تو اس مضمون میں چمک آ گئی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ اور ہمارے خلفاء کے تربیت اولاد کے بارے میں ارشادات کو یکجائی طور پر دیکھیں تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی اولادوں اور نسلوں کی ایسی تربیت و اصلاح کریں کہ وہ مستقبل کے معمار بن کر اپنی اولادوں کو درست سمت میں ڈالتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کریں۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ہو۔ اگر بیٹیاں ہی بیٹیاں ہیں اور خود انسان جائیدادوں اور زمینوں کا مالک ہے تو نرینہ اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے دعاؤں اور دواؤں کا سہارا لیتا ہے۔ بزرگوں سے دعائیں کرواتا ہے اور حکماء و ڈاکٹرز سے ادویات لیتا اور بسا اوقات دوسری، تیسری شادی بھی کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک دوست منشی عبدالحق پٹیالوی صاحب نے اپنے ہاں نرینہ اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو لطیف اور پُرمغز تقریر فرمائی وہ اس اداریہ کے ذریعے ہدیہ قارئین الفضل کی جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

”انسان کو سوچنا چاہئے کہ اسے اولاد کی خواہش کیوں ہوتی ہے؟ کیونکہ اس کو محض طبعی خواہش ہی تک محدود نہ کر دینا چاہئے کہ جیسے پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے۔ لیکن جب یہ ایک خاص اندازہ سے گزر جاوے تو ضرور اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(الذاریات: 57)

اب اگر انسان خود مومن اور عبد نہیں بنتا ہے اور اپنی زندگی کے اصل منشاء کو پورا نہیں کرتا ہے۔ اور پورا حق عبادت ادا نہیں کرتا۔ بلکہ فسق و فجور میں زندگی بسر کرتا ہے اور گناہ پر گناہ کرتا ہے تو ایسے آدمی کی اولاد کے لیے خواہش کیا نتیجہ رکھے گی۔ صرف یہی کہ گناہ کرنے کے لیے وہ اپنا ایک اور خلیفہ چھوڑنا چاہتا ہے۔ خود کونسی کمی کی ہے جو اولاد کی خواہش کرتا ہے۔ پس جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لیے نہ ہو کہ وہ دیندار اور متقی ہو اور خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو کر اس کے دین کی خادم بنے بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی معصیت اور گناہ ہے اور باقیات صالحات کی بجائے اس کا نام باقیات سیّئات رکھنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صالح اور خدا ترس اور خادم دین اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو اس کا یہ کہنا بھی نرا ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔ اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے اور منہ سے کہتا ہے کہ میں صالح اور متقی اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذّاب ہے۔ صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ زندگی بناوے۔ تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہو گی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہو گی کہ اس کو باقیات صالحات کا مصداق کہیں لیکن اگر یہ خواہش صرف اس لیے ہو کہ ہمارا نام باقی رہے اور وہ ہمارے املاک و اسباب کی وارث ہو یا وہ بڑی نامور اور مشہور ہو۔ اس قسم کی خواہش میرے نزدیک شرک ہے۔ یاد رکھو کسی نیکی کو کبھی اس لیے نہیں کرنا چاہئے کہ اس نیکی کے کرنے پر ثواب یا اجر ملے گا۔ کیونکہ اگر محض اس خیال سے نیکی کی جاوے تو وہ ابتغاء لمرضات اللہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس ثواب کی خاطر ہو گی اور اس سے اندیشہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت وہ اسے چھوڑ بیٹھے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہر روز ہم سے ملنے کو آوے اور ہم اس کو ایک روپیہ دے دیا کریں تو وہ بجائے خود یہی سمجھے گا۔ کہ میرا جانا صرف روپے کے لیے ہے جس دن سے روپیہ نہ ملے اسی دن سے آنا چھوڑ دے گا۔ غرض یہ ایک قسم کا باریک شرک ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ نیکی کو محض اس لیے کرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ خوش ہو اور اس کی رضا حاصل ہو اور اس کے حکم کی تعمیل ہو۔ قطع نظر اس کے کہ اس پر ثواب ہو یا نہ ہو۔

ایمان تب ہی کامل ہوتا ہے جبکہ یہ وسوسہ اور وہم درمیان سے اٹھ جاوے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

(التوبہ: 120)

مگر نیکی کرنے والے کو اجر مدنظر نہیں رکھنا چاہئے۔ دیکھو اگر کوئی مہمان یہاں محض اس لیے آتا ہے کہ وہاں آرام ملے گا۔ ٹھنڈے شربت ملیں گے یا تکلف کے کھانے ملیں گے۔ تو وہ گویا ان اشیاء کے لیے آتا ہے۔ حالانکہ خود میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی المقدور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ کرے اور اس کو آرام پہنچاوے اور وہ پہنچاتا ہے۔ لیکن مہمان کا خود ایسا خیال کرنا اس کے لیے نقصان کا موجب ہے۔ تو غرض مطلب یہ ہے کہ اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر ہونی چاہئے۔ اس لحاظ سے اور خیال سے نہ ہو کہ وہ ایک گناہ کا خلیفہ باقی رہے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے کبھی اولاد کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے پندرہ یا سولہ برس کی عمر کے درمیان ہی اولاد دے دی تھی۔ یہ سلطان احمد اور فضل احمد قریباً اسی عمر میں پیدا ہو گئے تھے اور نہ کبھی مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیا دار بنیں۔ اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں۔ غرض جو اولاد معصیت اور فسق کی زندگی بسر کرنے والی ہو۔ اس کی نسبت تو سعدی رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کہ پیش از پدر مُردہ بہ ناخلف

پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور ان کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں۔ نہ کبھی ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتدا میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو انکو تنبیہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں۔ ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکا اپنے جرائم کی وجہ سے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اس آخری وقت میں اس نے خواہش کی کہ میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب اس کی ماں آئی تو اس نے ماں کے پاس جا کر اسے کہا کہ میں تیری زبان کو چوسنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے زبان نکالی تو اسے کاٹ کھایا۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ اسی ماں نے مجھے پھانسی پر چڑھایا ہے کیونکہ اگر یہ مجھے پہلے ہی روکتی تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں مگر نہ اس لیے کہ وہ خادم دین ہو بلکہ اس لیے کہ دنیا میں ان کا کوئی وارث ہو اور جب اولاد ہوتی ہے تو اس کی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور نیکیوں کی امید اس سے کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یعنی خدا ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے۔ اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام ہی ہو گا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دعا ہے“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 370-373 ایڈیشن 1984ء)

٭اسی مضمون کو حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کے حوالہ سے یوں بیان فرمایا کہ اولاد کو صالح بنانے کے لئے والدین کا صالح ہونا ضروری ہے۔ خضر اور موسیٰ علیہما السلام نے جب یتیم بچوں کی دیوار گرائی وہاں یہ نہیں لکھا کہ یتیم بچے نیک تھے بلکہ فرمایا کہ ان دونوں کا والد صالح تھا پس اس حوالے سے آپ ایسے لوگوں کے لیے جو اولاد کے متمنی تو ہوتے ہیں مگر تربیت ایسی نہیں کر پاتے کہ اولاد امتحان اور ابتلاء کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ فرماتے ہیں ”اولاد کا ابتلا بھی بہت بڑا ابتلا ہے۔ اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پرواہ ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف: 197)

یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اگر بد بخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لیے چھوڑ جاؤ۔ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے

پھر قلاش ہو جائے گی اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہیں۔ جو شخص اپنی رائے کو خدا تعالیٰ کی رائے اور منشا سے متفق کرتا ہے وہ اولاد کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ اسی طرح پر ہے کہ اس کی صلاحیت کے لیے کوشش کرے اور دعائیں کرے۔ اس صورت میں خود اللہ تعالیٰ اس کا تکفل کرے گا اور اگر بد چلن ہے تو جائے جہنم میں اس کی پروا تک نہ کرے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ میں بچہ تھا۔ جوان ہوا۔ اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت رکھتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لیے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لیے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لیے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک خدا تعالیٰ سے رشتہ نہ ہو اور سچا تعلق اس کے ساتھ نہ ہو جاوے۔ کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی۔ یہودیوں کو دیکھو کہ کیا وہ پیغمبروں کی اولاد نہیں؟ یہی وہ قوم ہے جو اس پر ناز کیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی۔ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (المائدہ:19) ہم اللہ تعالیٰ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں مگر جب انہوں نے خدا تعالیٰ سے رشتہ توڑ دیا اور دنیا ہی دنیا کو مقدم کر لیا تو کیا نتیجہ ہوا؟ خدا تعالیٰ نے اسے سؤر اور بندر کہا۔ اور اب جو حالت ان کی مال و دولت ہوتے ہوئے بھی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پس وہ کام کرو جو اولاد کے لیے بہترین نمونہ اور سبق ہو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے اول خود اپنی اصلاح کرو۔ اگر تم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے۔ اور خدا تعالیٰ کو راضی کر لو گے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے گا۔ قرآن شریف میں خضر اور موسیٰ علیہما السلام کا قصہ درج ہے کہ ان دونوں نے مل کر ایک دیوار کو بنا دیا جو یتیم بچوں کی تھی وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَکَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا۔ ان کا والد صالح تھا۔ یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ آپ کیسے تھے۔ پس اس مقصد کو حاصل کرو۔ اولاد کے لیے ہمیشہ اس کی نیکی کی خواہش کرو۔ اگر وہ دین اور دیانت سے باہر چلے جاویں۔ پھر کیا؟ اس قسم کے امور اکثر لوگوں کو پیش آجاتے ہیں۔ بد دیانتی خواہ تجارت کے ذریعہ ہو یا رشوت کے ذریعہ یا زراعت کے ذریعہ جس میں حقوقِ شرکاء کو تلف کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی میری سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد کے لیے خواہش ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب جائیداد لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کوئی اولاد ہو جاوے جو اس جائیداد کی وارث ہو تا کہ غیروں کے ہاتھ میں نہ چلی جاوے مگر وہ نہیں جانتے کہ جب مر گئے تو شرکاء کون اور اولاد کون۔ سب ہی تیرے لیے تو غیر ہیں۔ اولاد کے لیے اگر خواہش ہو تو اس غرض سے ہو کہ وہ خادمِ دین ہو۔ غرض حق العباد میں پیچ در پیچ مشکلات ہیں جب تک انسان ان میں سے نکلے نہیں مومن نہیں ہو سکتا۔ نری باتیں ہی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی سے رشتہ ناطہ نہیں۔ اس کے ہاں اس کی بھی کچھ پروا نہیں کہ کوئی سید ہے یا کون ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود فاطمہؓ سے کہا کہ یہ خیال مت کرنا کہ میرا باپ پیغمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ کسی نے پوچھا کہ کیا آپؐ بھی؟ فرمایا ہاں۔ میں بھی۔ مختصر یہ کہ نجات نہ قوم پر منحصر ہے نہ مال پر بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور اس کو اعمالِ صالحہ اور آنحضرت ﷺ کا کامل اتباع اور دعائیں جذب کرتی ہیں۔ قوم کا ابتلا بھی مال کے ابتلا سے کم نہیں۔ بعض لوگ دوسری قوموں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اس ابتلا میں سید سب سے زیادہ مبتلا ہیں ایک عورت گدا گر ہمارے ہاں آئی۔ وہ کہتی تھی میں سیدانی ہوں۔ اس کو پیاس لگی اور پانی مانگا تو کہا کہ پیالہ دھو کر دینا کسی امتی نے پیا ہو گا۔ اس قسم کے خیالات ان لوگوں میں پیدا ہوئے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور ان باتوں کی کچھ قدر نہیں۔ اس نے فیصلہ کر دیا ہے۔

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ

(الحجرات:14)

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 109-111 ایڈیشن 1984ء)

* پھر ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں جن کے ہاں اولاد ہو جاتی ہے وہ اپنی اولاد سے شرک کی حد تک پیار کرتے ہیں۔ اولاد سے پیار منع نہیں لیکن پیار اور زجر ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔ جس طرح ایک درخت کو زیادہ پانی بھی تباہ کر دیتا ہے اور پانی بالکل نہ دینا یا تھوڑا دینا بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب بچہ سات سال کی عمر کو چھوئے اور نماز نہ پڑھے تو تنبیہ اور دس سال کی عمر میں زجر کی تعلیم دی ہے۔ ایسے لوگوں سے جب ان کی اولاد چھین لی جاتی ہے تو وہ خدا کو موردِ الزام ٹھہرانے لگ جاتے ہیں۔ آپ علیہ السلام اس مضمون کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

’’دین کی جڑ اس میں ہے کہ ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو۔ دراصل ہم تو خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے اور کسی سے ہم کو کیا غرض ہے کہ ایک نہیں کروڑ اولاد مر جائے پر خدا راضی رہے تو کوئی غم کی بات نہیں۔ اگر اولاد زندہ بھی رہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجب ابتلاء ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی اولاد کی وجہ سے جیل خانوں میں جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اولاد کی شرارت کے سبب پابہ زنجیر تھا۔ اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے اس کی خاطر داری کرنی چاہئے۔ اس کی دلجوئی کرنی چاہئے۔ مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہئے اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 90 ایڈیشن 1984ء)

* پھر فرماتے ہیں

’’اولاد کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ بعض نادان اولاد کے مر جانے کے سبب دہریہ ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ اولاد انسان کو ایسی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا شریک بن جاتی ہے۔ بعض لوگ اولاد کے سبب سے دہریہ ملحد اور بے ایمان بن جاتے ہیں۔ بعضوں کے بیٹے عیسائی بن جاتے ہیں تو وہ بھی اولاد کی خاطر عیسائی ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں تو وہ ماں باپ کے واسطے سلب ایمان کا موجب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ جب کسی پر صدمہ سخت ہو اور وہ صبر کرے تو جتنا صدمہ ہو اتنا ہی اس کا اجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ رحیم غفور اور ستار ہے۔ وہ انسان کو اس واسطے تکلیف نہیں پہنچاتا کہ وہ تکلیف اُٹھا کر دین سے الگ ہو جائے بلکہ تکالیف اس واسطے آتی ہیں کہ انسان آگے قدم بڑھائے۔‘‘

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 84-85 ایڈیشن 1984ء)

* اس مضمون کو ایک اور موقع پر اپنی اولاد کے حوالے سے یوں بیان فرمایا ہے۔

’’ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا۔‘‘

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 409)

ہر دور میں خلفاء احمدیت نے تربیت اولاد کے موضوع پر جماعت کو نصائح فرمائی ہیں تا کہ نئی نسلیں بھی اپنے بزرگوں کی نیکیوں پر قائم رہنے والی ہوں اور صراط مستقیم سے ہٹنے والی نہ ہوں اسی ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔

’’جماعت اور اسلام کا غلبہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔ اس خدا کی تقدیر ہے جو تمام طاقتوں کا مالک خدا ہے اور وہ ناقابلِ شکست اور غالب ہے۔ اگر کوئی ہم میں سے راستے کی مشکلات دیکھ کر کمزوری دکھاتا ہے، اگر ہماری اولادیں ہمارے ایمان میں کمزوری کا باعث بن جاتی ہیں، اگر ہماری تربیت کا حق ادا کرنے میں کمی ہماری اولادوں کو دین سے دور لے جاتی ہے، اگر کوئی ابتلا ہمیں یا ہماری اولادوں کو ڈانواں ڈول کرنے کا باعث بن جاتا ہے تو اس سے دین کے غلبے کے فیصلے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں جو کمزوری دکھاتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ دوسروں کو سامنے لے آتا ہے، اور لوگوں کو سامنے لے آتا ہے، نئی قومیں کھڑی کر دیتا ہے۔ پس اس اہم بات کو اور یہ بہت ہی اہم بات ہے ہمیں ہمیشہ ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور اس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی نسلوں کی تربیت کی فکر کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم بات اس سلسلے میں ہمارے اپنے پاک نمونے ہیں۔‘‘

(خطبات مسرور جلد 8 صفحہ 507)

نرینہ اولاد کے لئے ایک دعا

آخر میں اس ایک مقبول دعا کا ذکر کرنا بھی قارئین کے لیے مفید ہو گا۔ یہ دعا علامہ ایچ ایم طارق کی کتاب ادعیۃ المہدی کے صفحہ نمبر 56۔58 پر ایک مرید باصفا کی اولاد نرینہ کیلئے خاص مقبول دعا کے عنوان سے درج ہے۔

حضرت خلیفہ نور الدین جمونی صاحب (محقق قبر مسیح) کے ہاں نرینہ اولاد نہ ہوتی تھی۔ ان کی روایت ہے کہ 1893ء میں وہ اپنی دوسری اہلیہ کے ہمراہ قادیان آئے۔ ان کے بطن سے بہت سی اولاد ہوئی جو مرجاتی رہی۔ خلیفہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ سے اولاد کے بارہ میں دعا کروائی۔ آپ کی اہلیہ نے بھی حضورؑ سے اس کے لئے تعویذ مرحمت فرمانے کی درخواست کی۔

حضورؑ نے انہیں اپنے دست مبارک سے ایک دعا لکھ کر دی۔ جو معجزانہ رنگ میں مقبول ٹھہری اور دسمبر 1893 میں خلیفہ صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا۔ جس کا نام عبد الرحیم رکھا گیا۔ چھ سال کی عمر میں یہ بچہ حضور کی خدمت میں قادیان بغرض زیارت آیا اور اس کی اداسی کے باعث واپسی وطن کے لئے اجازت چاہی گئی تو حضورؑ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا واہ تیرے پیدا ہونے کے لئے ہم رو رو کر دعائیں کرتے رہے اب تُو یہاں رہنے سے تنگ ہے ابھی ہم نے تو تیری دعوت کرنی ہے۔ پھر دوسرے دن حضور نے باغ میں احباب کو اکٹھا کر کے شہتوت بدانہ منگوا کر فرمایا لو میاں تمہاری دعوت ہو گئی۔ بیرسٹر عبد العزیز خلیفہ نائب امیر کینیڈا انہیں کے خلف الرشید ہیں۔

یہ میاں عبد الرحیم صاحب ریاست جموں کشمیر میں ترقی کرتے کرتے سیکرٹری کے عہدہ تک پہنچے۔

(بحوالہ i الحکم 7 تا 14 نومبر 1939ء صفحہ 5-6 از عبد الواحد ایڈیٹر اصلاح، بحوالہ ii سیرت احمد از مولوی قدرت اللہ سنوری صفحہ 179-180، بحوالہ iii سفرنامہ پیر سراج الحق نعمانی مطبوعہ جون 1915 صفحہ 259)

بقیہ صفحہ 9 پر

فرید احمد نوید۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ انٹرنیشنل گھانا

قرآنی انبیاء

تو سردار جمیع انبیاء ہے

قسط 18

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ آپ کے چاہنے والوں نے ہر دور میں آپ کی محبت کے ابواب رقم کئے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ صرف آپ کے ماننے والوں پر ہی کیا موقوف آپ کے نہ ماننے والے بھی اور وہ لوگ بھی جو مذھباً مسلمان نہیں ہیں آپ کی حیرت انگیز خوبیوں والی زندگی کا مطالعہ کر کے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ۔

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء محدود علاقوں، مخصوص اقوام اور معین اوقات کے نبی تھے۔ آپ کے آنے سے پہلی مرتبہ دنیا نے ایک عالمگیر نبی کا منہ دیکھا۔ آپ ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانے کے نبی ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ سے پہلے زمانے بھی آپ ہی کے زمانے تھے اور آپ سے قبل آنے والے انبیاء درحقیقت اس عظیم الشان نبی کے آنے کی تیاری کروانے کیلئے آئے تھے۔

آپؐ واحد نبی ہیں جن کے حالات زندگی پوری تفصیلات کے ساتھ اور مستند تفصیلات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ اس لئے آپؐ کی زندگی کے تمام حالات و واقعات کو پوری جزئیات کے ساتھ قلمبند کرنا بہت زیادہ صفحات چاہتا ہے اور صرف آپؐ کی زندگی کے حالات پر ہی کئی جلدوں پر مشتمل کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اور لکھی بھی گئی ہیں۔ آئندہ آنے والے صفحات میں آپؐ کی زندگی کے حالات و واقعات مختصراً بیان کئے گئے ہیں تا کہ انبیاء کا یہ سلسلہ ایک ہی جلد میں مکمل کیا جاسکے۔

ایک لمبے عرصے کے بعد زمزم کا چشمہ جو حضرت اسماعیل کی برکت سے مکہ میں جاری ہوا تھا بند کر دیا گیا۔ ہوا یوں کہ قبیلہ جرھم کے سردار عمرو بن الحرث کو بعض مشکلات کی وجہ سے مکہ چھوڑنا پڑا تو اس نے اپنے قیمتی اموال وغیرہ زمزم کے کنویں میں ڈال کر اسے اوپر سے بند کر دیا اور خود مکہ چھوڑ گیا۔ یہ واقعہ حضرت رسول کریم ﷺ کی پیدائش سے کئی سو سال پہلے ہوا تھا اور اس تمام عرصے کے دوران اہل مکہ زمزم کی برکت سے محروم رہے۔ اب اس واقعے کو ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا اور لوگ زمزم کو بالکل بھول چکے تھے۔ کہ ایک روز حضرت رسول کریم ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں اس چشمے کے بارے میں بتایا اور اسے کھودنے کا حکم دیا۔ خواب میں ہی آپ کو چشمے کی جگہ کے بارے میں بھی بتایا گیا لیکن معین طور پر جگہ کا پتہ نہ بتایا گیا۔ چنانچہ آپ اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اپنے اس خواب کی روشنی میں زمزم کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ علاقے کے لوگ آپ کو زمزم تلاش کرتے دیکھتے تو آپ کا مذاق اڑاتے لیکن آپ کو اپنے خواب پر پورا یقین تھا۔ اس لئے آپ نے تلاش جاری رکھی اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی جاری رکھیں اور اسی دوران آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بچے دے گا تو میں ان میں سے ایک کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔

بہر حال یہ تلاش چلتی رہی اور ایک روز واقعی آپ کو چاہ زمزم مل گیا اور زمزم کے ساتھ ہی وہ خزانہ بھی مل گیا جو قبیلہ جرھم کا سردار مکہ چھوڑتے ہوئے زمزم میں دفن کر گیا تھا۔ اس واقعہ نے قریش میں آپ کی عزت بہت بڑھا دی اور سب لوگ آپ کی قدر کرنے لگے۔

اس واقعہ کے بعد کچھ سالوں کے اندر اندر ہی اللہ تعالیٰ نے عبد المطلب کی وہ دعا بھی پورے طور پر قبول کر لی جو آپ نے دس بیٹوں کے لئے مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس صحت مند اور توانا بیٹے عطا کئے اور آپ بڑی محبت کے ساتھ ان کی پرورش کرنے لگے۔ جب بچے کچھ بڑے ہو گئے تو حضرت عبد المطلب کو اپنی وہ بات یاد آئی جو انہوں نے بچوں کی پیدائش سے پہلے کی تھی کہ اے اللہ! اگر میرے دس بچے ہوں گے تو میں ان میں سے ایک کو تیری راہ میں قربان کر دوں گا۔ اب یہ نذر بار بار انہیں یاد آرہی تھی اس لئے اس وعدے کو پورا کرنے کیلئے آپ نے اپنے بیٹوں میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قرعہ اندازی کی گئی تو آپ کے سب سے پیارے بیٹے عبد اللہ کے نام قرعہ نکلا۔ اب وعدے کے مطابق حضرت عبد اللہ کو اللہ کی راہ میں قربان کیا جانا تھا اور حضرت عبد المطلب اس کے لئے بالکل تیار تھے۔

قبیلے کے باقی لوگوں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو وہ سب حضرت عبد المطلب کے پاس پہنچے کہ آپ یہ کیا غضب کر رہے ہیں کہ اپنے اتنے پیارے بیٹے کو قربان کرنا چاہ رہے ہیں۔ حضرت عبد المطلب نے ان کو اپنے وعدے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا۔

جب انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت عبد المطلب اپنے اس وعدے کو ضرور پورا کریں گے تو ایک تعلق دار نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ یوں کریں کہ اپنے اس بیٹے عبد اللہ اور دس اونٹوں کے درمیان (جو اس وقت ایک آدمی کا خون بہا ہوا کرتا تھا) قرعہ اندازی کر لیں۔ اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اونٹ قربان کر دیں اور اگر عبد اللہ کے نام قرعہ نکلے تو عبد اللہ کو۔

چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا لیکن قرعہ عبد اللہ کے نام نکل آیا۔ حضرت عبد المطلب نے دس اونٹ اور بڑھا دیئے اور پھر قرعہ ڈالا لیکن اس مرتبہ بھی قرعہ عبد اللہ کے نام کا نکلا۔ یوں اونٹ بڑھاتے بڑھاتے ان کی تعداد ایک سو تک پہنچ گئی۔ جب سو اونٹوں اور عبد اللہ کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ جس پر حضرت عبد المطلب کو بہت خوشی ہوئی اور آپ نے فوراً ایک سو اونٹ ذبح کر دیئے۔ حضرت عبد اللہ جوان ہو گئے اور آپ کی شادی قریش کے ایک معزز قبیلے بنو زہرہ کی ایک شریف خاتون حضرت آمنہ سے ہو گئی۔ یہ دونوں میاں بیوی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے والدین تھے۔

شادی کے تھوڑے عرصے بعد ہی حضرت عبد اللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ملک شام گئے۔ جہاں سے واپسی پر راستے میں آپ یثرب یعنی مدینہ کے مقام پر بیمار پڑ گئے۔ اور چند دن بعد یہیں انتقال فرما گئے۔ یوں حضرت رسول کریم ﷺ اپنی پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو گئے۔

حضرت رسول کریم ﷺ کی پیدائش 12 ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 570ء کو پیر کے دن مکہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا حضرت عبد المطلب کو آپ کی پیدائش کی بے انتہا خوشی تھی۔ آپ حضرت آمنہ کے پاس آئے اور بچے کو ہاتھوں میں لے کر کعبہ کا طواف کیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کا نام محمد رکھا اور آپ کے دادا نے آپ کا نام احمد رکھا۔

عرب کے معزز قبیلوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو پرورش کے لئے شریف خاندانوں کی دیہاتی دائیوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے چنانچہ اسی دستور کے مطابق آنحضرت ﷺ کو قبیلہ بنو سعد کی ایک دایہ حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو آپؐ کو اپنے گاؤں لے گئیں۔ اور آپؐ کی پرورش کرنے لگیں۔ جب رضاعت کی مدت گزر گئی اور دو سال پورے ہو گئے تو حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو واپس آپ کی والدہ کے پاس مکہ لے آئیں۔ لیکن ان دنوں مکہ کی آب و ہوا کچھ خراب تھی جس کی وجہ سے آپ کے بیمار ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لئے حضرت حلیمہ سعدیہ نے اصرار کیا کہ بچے کو واپس ان کے گاؤں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ان کے شدید اصرار پر حضرت آمنہ نے دوبارہ بچے کو ان کے سپرد کر دیا اور وہ انہیں لیکر ایک مرتبہ پھر گاؤں آ گئیں۔ یوں آپ مزید دو سال تک حضرت حلیمہ سعدیہ کے ساتھ ان کے گھر میں رہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی اس چار سالہ خدمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یاد رکھا اور جب بھی کبھی حلیمہ سعدیہ سے آپ کی ملاقات ہوتی آپ انہیں ''میری ماں'' کہہ کر مخاطب کرتے۔ ان کے اعزاز میں اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاتے اور انہیں بیٹھنے کیلئے جگہ دیتے۔ 4 سال کی عمر میں آپ حلیمہ سعدیہ کے پاس سے اپنی والدہ کے پاس آ گئے۔ لیکن ابھی آپ کو اپنی والدہ کے پاس رہتے ہوئے دو سال ہی ہوئے تھے کہ حضرت آمنہ آپ کو لیکر اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے یثرب تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ نے ایک مہینہ قیام کیا۔ یثرب سے واپسی کے موقع پر راستے میں آپ بیمار پڑ گئیں اور ابواء کے مقام پر اپنے چھ سالہ بچے کو چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ یوں والد کے بعد اب آپ کی والدہ بھی آپ کا ساتھ چھوڑ گئیں تھیں۔

والدہ کے بعد آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے آپ کی کفالت کی اور آپ ان کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت عبد المطلب آپ سے بہت پیار کرتے تھے۔ آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر سیر کروایا کرتے تھے۔ اور جب خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو اس وقت بھی آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھتے۔ لیکن یہ شفیق ہستی بھی دو سال بعد آپ کا ساتھ چھوڑ گئی۔ اور آٹھ سال کی عمر میں آپ کے دادا بھی فوت ہو گئے۔ ان چند سالوں میں یہ تیسری محبت کرنے والی ہستی تھی جو آپ سے جدا ہو گئی تھی۔

اب آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب نے آپ کی پرورش کا ذمہ لیا۔ اور حضرت عبد المطلب کی وصیت کے مطابق آپ کے کفیل مقرر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی عادات کی وجہ سے ابو طالب بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور اپنے بچے ہونے کے باوجود آپ سے انتہائی محبت اور پیار کا سلوک کیا کرتے تھے۔ آپ کا بے انتہا خیال رکھتے تھے اور رات کے وقت آپؐ کو اپنے ساتھ سلایا کرتے تھے۔

آپؐ کی عمر بارہ سال تھی کہ ایک مرتبہ حضرت ابو طالب کو ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف جانا پڑا۔ آپؐ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ اپنے چچا کی محبت میں ان کے ساتھ لپٹ گئے اور آپ سے درخواست کی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔حضرت ابو طالب جو آپ سے شدید محبت کرتے تھے آپ کی اس بات کو ٹال نہ سکے اور آپؐ کو اپنے ساتھ لیکر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔جس وقت آپ کا قافلہ سفر کرتا ہوا بصریٰ کے مقام پر پہنچا تو قافلے نے وہاں پڑاؤ کیا۔ اس جگہ ایک عیسائی عالم جس کا نام بحیریٰ تھا رہا کرتا تھا۔ اس عیسائی عالم نے کشفی طور پر بعض ایسی باتیں دیکھیں جن سے اسے معلوم ہو گیا کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں جس عظیم الشان نبی کی آمد کا ذکر ہے وہ پیدا ہو چکا ہے اور اسی قافلے میں موجود ہے۔ چنانچہ اس نے مختلف نشانیوں کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا اور آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب سے کہا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ایک عظیم الشان ہستی بننے والا ہے اس لئے اس کی حفاظت کرنا۔

دن گزرتے گئے اور آپ اپنے چچا کے گھر مکہ میں پرورش پاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ جوان ہو گئے اور آپ نے ارادہ کیا کہ اب اپنے چچا کا ہاتھ بٹائیں اور کوئی کام کاج کریں۔ چنانچہ آپ نے تجارت شروع کر دی اور اس سلسلے میں مختلف ممالک کی طرف تجارتی سفر شروع کر دیئے۔ آپ نے ان تجارتی سفروں میں ہمیشہ سچائی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اور کبھی بھی جھوٹ دھوکے یا فریب کے ذریعے سے تجارت کرنے کی کوشش نہیں کی آپ ہمیشہ لین دین کے معاملے میں حساب صاف رکھا کرتے تھے۔غرض کاروباری دنیا میں قدم رکھنے کے بعد آپ کی دیانت، امانت، راست گفتاری اور حق گوئی اس طرح مشہور ہو گئی کہ قوم آپ کو صادق اور امین کہنے لگی۔ آپ کی یہ اچھی شہرت حضرت خدیجہ تک بھی پہنچی جو مکے کی ایک شریف اور مالدار خاتون تھیں۔ آپ بیوہ تھیں اور اپنے پہلے شوہر کی وفات کے بعد اب تک آپ نے شادی نہیں کی تھی۔ آپ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور دیانت کے بارے میں سنا تو اپنے کاروبار کے لئے آپ کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی تجارت کا کچھ سامان دے کر آپ کو ایک تجارتی سفر پر روانہ کیا۔ آپ کے ساتھ انہوں نے اپنا ایک غلام بھی بھیجا تا کہ وہ آپ کی عادات کا مشاہدہ کر سکے۔ اس تجارتی سفر سے واپس آ کر اس غلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق، سچائی اور راستبازی کی بے انتہا تعریف کی۔ جسے سن کر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور آپ کی خدمت میں رشتے کا پیغام بھجوا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو انہوں نے اس شادی کے پیغام کو قبول کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ آپ کی شادی 25 سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے ہو گئی جو اس وقت 40 برس کی تھیں۔ آپ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے اسی بیوی سے پیدا ہوئی۔

پھر ایسا ہوا کہ کسی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو کچھ نقصان پہنچ گیا۔جس کی تعمیر قریش کا فرض تھا۔قریش یہ چاہتے تھے کہ عمارت کو گرا کر از سر نو بہتر رنگ میں تعمیر کیا جائے۔ لیکن وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں خانہ کعبہ کو گرانے کی وجہ سے ان پر کوئی عذاب نہ آ جائے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے اس کام کو شروع کیا اور پھر تمام قریش اس کام میں شریک ہو گئے اور خانہ کعبہ کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جانے لگا۔ حجر اسود کا مبارک پتھر نصب کرنے کے معاملے میں قریش کے مختلف قبائل میں جھگڑا پڑ گیا۔ ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ وہ حجر اسود کو نصب کر کے عزت حاصل کرے۔ اس بات پر جھگڑا بڑھ گیا اور تعمیر کا کام کئی روز تک رکا رہا۔ آخر مغیرہ کے بیٹے ابو امیہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص حرم میں سب سے پہلے آتا دکھائی دے اس کو اس معاملے میں منصف بنا لیا جائے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس روز سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف لائے۔ آپ کو دیکھتے ہی تمام قبائل خوشی سے چلا اٹھے کہ امین آ گیا۔ امین آ گیا۔ اب فیصلہ یقیناً بہترین ہو گا۔ اور آپ نے واقعی خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا بہترین فیصلہ کیا کہ تمام قریش حیران رہ گئے۔ آپ نے تمام معاملہ سن کر اپنی چادر بچھائی اور حجر اسود اس پر رکھ کر تمام قبائل کے سرداروں سے کہا کہ اس چادر کے کناروں سے پکڑ لیں اور اٹھا کر حجر اسود نصب کرنے کی جگہ پر لے چلیں۔ چنانچہ تمام قبائل کے سردار اس چادر میں حجر اسود کو اٹھائے ہوئے اس کے نصب کرنے کی جگہ تک پہنچے جہاں پر جا کر آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس پتھر کو خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔ اس طرح وہ خطرناک جھگڑا جو آگے چل کر ایک عظیم لڑائی کی صورت اختیار کرنے والا تھا آپ کی فراست اور عقلمندی کے نتیجے میں نہایت عمدگی سے طے ہو گیا۔

اب آپ کی عمر مبارک 40 برس کی ہونے والی تھی یہ وہ دور تھا جس میں آپ کثرت کے ساتھ عبادات میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آپ کی عبادتوں اور ریاضتوں میں بے انتہا تیزی آ گئی تھی اور آپ عبادات کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ کئی دن کے لئے اپنے کھانے پینے کا سامان لیکر مکہ سے باہر ایک غار میں چلے جایا کرتے تھے اور وہاں تنہا عبادات میں مصروف رہا کرتے تھے۔ یہ غار مکہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا اور اس کا نام غار حرا تھا۔

انہی دنوں میں آپ کو کثرت کے ساتھ سچے خواب آنے لگے اور بالآخر وہ دن آ گیا جس دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور تمام دنیا کیلئے نبی مبعوث کر دیا۔ یہ بہت بڑی اور عظیم ذمہ داری تھی جسے اٹھانے کے تصور سے ہی آپ پریشان ہو رہے تھے کہ کیا اتنا عظیم کام میں کر سکوں گا۔ کیا میں اس عظیم کام کا حق ادا کر سکوں گا۔ ذمہ داری کے اس احساس کو دل میں لئے آپ گھبراہٹ کے ساتھ گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت خدیجہؓ بھی گھبرا گئیں لیکن جب آپ نے تمام واقعہ بیان کیا تو انہوں نے آپ کو تسلی دی کہ خدا کی قسم خدا تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ آپ کی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کی مدد کرے گا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد متواتر وحی اور الہام کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ کا حکم فرمایا۔ آپ تمام دنیا کی طرف رسول کے طور پر مبعوث کئے گئے تھے۔ ہر زمانے کیلئے اور ہر قوم کیلئے۔

چنانچہ آپ نے اپنا کام شروع کیا اور لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ آپ کی تبلیغ کے نتیجے میں آپ کے قریبی لوگ جو آپ کے حالات سے واقف تھے فوراً ایمان لے آئے۔ جن میں حضرت خدیجہؓ حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد آنحضرت ﷺ کو خفیہ تبلیغ کے بجائے کھلے عام تبلیغ کرنے کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر ہر ایک قبیلے کو مخاطب کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور انہیں بتایا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

روز بروز آپ کے ساتھ شامل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور اسی وجہ سے مخالفت بھی زور پکڑتی جا رہی تھی۔ کمزور اور غریب مسلمان مظالم کی چکیوں میں پس رہے تھے۔ قریش کے وہ ظالم سردار جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غریب مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھایا کرتے تھے۔ حضرت بلالؓ حضرت خبیبؓ حضرت خبابؓ اور دوسرے بہت سے مسلمان بہت زیادہ ستائے جا رہے تھے۔ بہت بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے کمزور اور دکھی مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ یوں آپ کی نبوت کے پانچویں سال یعنی 5 نبوی میں بعض مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے جہاں کا بادشاہ نجاشی ایک رحمدل اور انصاف پسند حکمران تھا۔ مسلمانوں کی اس ہجرت کا یہ بھی فائدہ ہوا کہ یہ ایک بادشاہ جو مذہبا عیسائی تھا مسلمانوں کے عقائد کے بارے میں جان کر مسلمان ہو گیا۔

6 نبوی میں حضرت حمزہ جو آپ کے حقیقی چچا تھے مسلمان ہو گئے۔ ان کے ایمان لانے کا موقعہ کچھ یوں بنا کہ ایک روز حضرت حمزہ شکار کھیل کر شام کو گھر لوٹے تو گھر کی ایک خادمہ نے آپ کو بتایا کہ آج ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت برا بھلا کہا تھا۔ بہت گالیاں دیں لیکن محمدؐ اس کی تمام باتیں سن کر چپ ہو رہا اور اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ آپ نے یہ باتیں سنیں تو بھتیجے کی محبت نے دل میں جوش مارا۔ آپ فوراً اٹھے اور ابو جہل کو تلاش کرنے لگے۔ ابو جہل ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا آپ وہاں گئے اور جاتے ہی اپنی کمان ابو جہل کے سر میں اس زور سے ماری کہ وہ چکرا کر رہ گیا۔ پھر آپ نے ابو جہل سے کہا تو نے آج میرے بھتیجے محمد کو گالیاں دی تھیں۔ آج سے میں بھی محمدؐ کے ساتھ اس کے دین میں شامل ہوں۔ اب اگر کسی میں ہمت ہے تو محمدؐ کو کچھ کہہ کر دیکھے۔ جوش میں کہے ہوئے حضرت حمزہؓ کے یہ کلمات آپ کی زندگی بدل گئے اور آپ واقعی مسلمان ہو گئے۔

اس واقعے کے کچھ عرصے بعد ہی حضرت عمرؓ بھی ایمان لے آئے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے خادموں میں شامل ہو گئے۔ اب مسلمانوں کو کچھ طاقت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ مکہ کے دلیر اور عظیم سرداروں میں سے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کفار براہ راست مسلمانوں کو کچھ کہنے سے ڈرنے لگے۔ لیکن یہ بات ان کے لئے بہت تکلیف کا موجب تھی اس لئے انہوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ان کے باہمی مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ اجتماعی طور پر مسلمانوں کے ساتھ تمام تعلقات منقطع کر لئے جائیں ان کے ساتھ کوئی لین دین نہ کیا جائے اور انہیں شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جائے۔ اس بات کو باقاعدہ ایک معاہدے کی صورت میں لکھا گیا اور کفار کے بڑے بڑے سرداروں کے دستخطوں کے ساتھ اس معاہدے کی تحریر کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ اب تمام مسلمان مکہ کے قریب واقع اس پہاڑی درے میں محصور تھے جس کا نام شعب ابی طالب تھا۔ یہ انتہائی تکلیف کے دن تھے جو طویل ہوتے چلے گئے اور اسی درے میں قید کے تین سال بیت گئے۔ بالآخر تین سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے خاص فضل کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس تکلیف سے نجات دی اور یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔

آپ کی نبوت کے دسویں سال میں آپ کو دو بہت بڑے صدمے پہنچے۔ ان میں ایک آپ کے چچا حضرت ابو طالب کی وفات اور دوسرے آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات کا صدمہ تھا۔ ان دونوں نے 10

نبوی میں یکے بعد دیگرے وفات پائی۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اس سال کا نام عام الحزن یعنی غموں کا سال رکھ دیا۔

اسی سال آپ نے طائف کی طرف تبلیغی سفر بھی کیا جو مکہ سے 40 میل کے فاصلے پر ایک شہر تھا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دس روز قیام کیا اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ وہاں کے بد بخت لوگوں نے آپ کی بات سننے سے انکار کر دیا بلکہ انہوں نے آپ کے پیچھے شہر کے اوباش اور آوارہ لڑکے لگادیئے جو آپ کو پتھر مارتے ہوئے شہر سے باہر چھوڑ گئے۔ انہوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ لہولہان ہو گئے اور آپ کا جوتا مبارک آپ کے بہتے ہوئے خون سے بھر گیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں نے بہت زیادہ ظلم کا مظاہرہ کیا ہے اگر آپ کا حکم ہو تو سزا کے طور پر اس بستی کو پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے۔ آپ نے یہ بات سن کر فرمایا نہیں یہ لوگ میرے مقام سے واقف نہیں ہیں انہیں معاف کر دیا جائے کیونکہ ان کی نسلوں میں سے ہی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میری باتوں پر ایمان لائیں گے۔

تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رہا اور دوسری طرف کفار مکہ کی مخالفت بھی زور پکڑتی گئی۔ آپ کا پیغام مکہ کے علاوہ دوسرے شہروں تک بھی پہنچ رہا تھا اور لوگ مسلمان ہو رہے تھے۔ یہ بات مکہ کے کفار کیلئے بہت تکلیف دہ تھی۔ اور وہ اپنے طور پر پوری کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح اس پیغام کو دبا دیں۔ بالآخر انہوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے تا کہ یہ مسئلہ مستقل طور پر ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بڑے منصوبے سے آنحضرت ﷺ کو یوں بچایا کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ ہجرت کا حکم ملنے پر حضور ایک رات حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر گئے اور مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ صبح ہونے پر جب کفار کو آپ کی ہجرت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائے اور آپ کا تعاقب کرنے کی کوشش کی۔ جس وقت وہ لوگ آپ کے قریب پہنچے اس وقت حضرت رسول کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق مکہ کے قریب ایک غار میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ اس غار کا نام غار ثور تھا۔ آپ اس غار میں چھپے ہوئے تھے اور کفار مکہ آپ کے قدموں کے نشانات دیکھ کر اس غار کے منہ تک آ گئے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا ہوا کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا اور ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے جنہیں دیکھ کر کفار نے خیال کیا کہ اس غار کے اندر کوئی نہیں ہے ورنہ اگر کوئی اندر جاتا تو یہ مکڑی کا جالا اور انڈے ضرور ٹوٹ جاتے۔ یوں وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔ اور چند روز میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق خیریت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہجرت کا یہ واقعہ آپؐ کی نبوت کے چودھویں سال میں پیش آیا۔ روایات کے مطابق آپ 12 ربیع الاول 14 نبوی بمطابق 27 جون 622ء کو مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ میں موجود مسلمان آپؐ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب آپؐ وہاں پہنچے تو وہ آپؐ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آئے اور بڑی محبت کے ساتھ آپ کو لیکر شہر میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر قیام کیا۔

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے ایک مسجد تعمیر کی جس کا نام ''مسجد نبویؐ'' ہے یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئی تھی جہاں آپؐ کی مدینہ آمد کے وقت آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ مدینہ کے سازگار حالات کی وجہ سے نماز باجماعت ادا ہونے لگی اور لوگوں کو نماز کے بلانے کیلئے اذان کی ابتداء ہوگئی۔ قریش مکہ آپ کی ہجرت کی وجہ سے سخت غصے میں تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح سے آپؐ کو نقصان پہنچائیں۔ اس مقصد کیلئے وہ طرح طرح کی سازشیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کی ہجرت کے دوسرے سال یعنی 2 ہجری میں کفار مکہ ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر لیکر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو آپؐ بھی اپنے 313 ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر کے مقابلے کیلئے مدینہ سے باہر نکلے اور بدر کے میدان میں ان دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ کفار مکہ کے ایک ہزار مسلح افراد کے سامنے یہ 313 افراد جن میں سے اکثر ہتھیاروں سے مسلح بھی نہیں تھے۔ بظاہر بہت حقیر معلوم ہو رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہی 313 کمزور افراد کو غلبہ عطا کر دیا اور کفار کا ایک ہزار کا لشکر بری طرح شکست کھا گیا۔

بدر کی اس جنگ میں مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی اور کفار کے بڑے بڑے سردار مثلاً ولید، عتبہ، شیبہ اور ابو جہل وغیرہ مارے گئے۔ اس جنگ میں کفار کے 70 آدمی مارے گئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں قیدی بنا لئے گئے جب کہ باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ نے ایک طرف تو کفار مکہ کی کمر توڑ کر رکھ دی اور دوسری طرف یہودی اور مدینہ کے ارد گرد کے تمام قبائل بھی اسلام کی طاقت کو محسوس کرنے لگے تھے۔ مدینہ کے مشرکین پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا اور بہت سے لوگ اس فن کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے یوں مدینہ میں ایک مضبوط مسلمان حکومت قائم ہوگئی۔

3 ہجری میں کفار مکہ نے جنگ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس مرتبہ ابو سفیان کی قیادت میں 5 ہزار کا لشکر مکہ سے مدینہ کی طرف چڑھائی کرنے کیلئے نکلا اور مدینہ کے شمال میں 3 میل کے فاصلے پر واقع ''احد'' کے میدان میں پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ آنحضرت ﷺ اس لشکر کی آمد کی خبر سن کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے نکلے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس جنگ میں بھی مسلمان اپنے سے تین گنا بڑی فوج پر غالب آ گئے۔ کفار کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ لیکن مسلمانوں کی یہ فتح بعض مسلمانوں کی غلطی کی وجہ سے بہت سارے غم بھی دے گئی۔ ہوا یوں کہ جنگ سے قبل آنحضور ﷺ نے مسلمان لشکر کی پشت پر موجود ایک درے پر پچاس تیر اندازوں کو مقرر فرمایا تھا تا کہ وہ مسلمان لشکر کی پشت سے اس کی حفاظت کریں۔ آپؐ نے ان تیر اندازوں کو حکم دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے تم اس درے سے نہ ہٹنا۔ لیکن جب کفار نے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا تو ان تیر اندازوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کی فتح ہو چکی ہے۔ فتح کی خوشی میں ان تیر اندازوں میں سے چند ایک کے سوا اکثر درہ چھوڑ کر نیچے موجود مسلمانوں کی طرف بھاگے تا کہ فتح کی خوشیوں میں ان کے ساتھ شریک ہوسکیں۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جو ناسمجھی میں ان سے سرزد ہوگئی۔ اسی اثناء میں خالد بن ولید کی نظر جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار کی طرف سے لڑائی میں شامل تھے اس خالی درے پر پڑی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس درے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان جو فتح کی خوشی منا رہے تھے اس اچانک حملے سے گھبرا گئے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بہت سا جانی نقصان بھی ہوا اور آنحضرت ﷺ کو بھی زخم پہنچے۔ یوں اس جنگ میں فتح کے باوجود بہت تکلیف پہنچی۔

5 ہجری میں کفار مکہ کے ساتھ غزوہ خندق ہوا اور ہجرت کے ساتویں سال یہودی قبائل کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جنگ خیبر کے مقام پر ہوئی جو غزوہ خیبر کے نام سے معروف ہے۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد حضرت رسول کریم ﷺ کو ایک لمبا عرصہ مکہ واپس جانے کا موقع نہیں ملا۔ اس عرصے میں کفار مکہ مدینہ کی طرف کئی چڑھائیاں کر چکے تھے۔

6 ہجری میں حضور اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ مسلمان بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ عمرہ کیلئے جانا چاہئے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اسی سال چلتے ہیں۔ چنانچہ 6 ہجری میں چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ آپؐ عمرے کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ سے 19 میل کے فاصلے پر حدیبیہ نامی ایک آبادی کے پاس پڑاؤ کیا اور اپنا ایک قاصد مکہ کے سرداروں کی طرف بھجوایا اور انہیں بتایا کہ ہم عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر سرداران مکہ نے جواباً کہا کہ ہم کیسے یہ بات گوارہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے دشمن مسلمان ہمارے شہر میں آ کر کعبہ کا طواف کر جائیں یہ بات ہمارے لئے شرمندگی کا سبب بنے گی۔ یہ گفت و شنید کئی روز تک چلتی رہی اور بالآخر مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان صلح کا ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے مسلمانوں کو اس سال عمرے کے بغیر واپس جانا تھا اور وہ آئندہ کسی سال عمرے کیلئے آ سکتے تھے۔ اس صلح نامے کی رو سے جس کا نام ''معاہدہ حدیبیہ'' رکھا گیا تھا مسلمانوں اور کفار مکہ نے آپس میں جنگ نہ کرنے کا بھی معاہدہ کیا تھا۔ یوں اس سال تو مسلمان عمرہ کئے بغیر واپس آ گئے لیکن اس معاہدے کی وجہ سے چونکہ اب جنگوں کا خطرہ ٹل گیا تھا اس لئے تبلیغ کے لئے حالات سازگار ہو گئے اور لوگ کثرت کے ساتھ مسلمان ہونے لگے۔

7 ہجری میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے عظیم سپہ سالار بھی مسلمان ہو گئے اور اسلام کے خدام میں شامل ہو گئے۔

8 ہجری میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے کفار مکہ کے ساتھ آخری معرکے کی بنیاد رکھ دی۔ ہوا یوں کہ قریش کے ایک حلیف قبیلے بنو بکر نے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر اپنی کسی پرانی دشمنی کی وجہ سے حملہ کر دیا اور انہیں کافی نقصان پہنچایا اب صلح حدیبیہ کی شرائط کی رو سے قریش کا فرض تھا کہ وہ بنو بکر کو اس جنگ سے باز رکھتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ انہوں نے اپنے حلیف قبیلے کی اس جنگ میں مدد بھی کی۔

بنو خزاعہ کے لوگ روتے پیٹتے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مظلومیت کی داستان سنائی۔ یہ قبیلہ چونکہ مسلمانوں کا حلیف قبیلہ تھا اس لئے ان کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا ایک قاصد قریش کی طرف روانہ کیا کہ یا تو وہ بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں یا بنو بکر کی حمایت سے علیحدگی کا اعلان کریں یا پھر یہ اعلان کر دیں کہ ہم نے معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا ہے۔ قریش مکہ نے جوش میں آ کر تیسری بات ماننے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ ہم معاہدہ حدیبیہ توڑنے کا اعلان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس معاہدے کے ٹوٹنے کے نتیجے میں اپنے ساتھی قبیلے بنو خزاعہ کی مدد کیلئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

8 ہجری میں آپؐ اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے اور قریش کو اس لشکر کی آمد کی اطلاع تب ملی جب مسلمان مکہ کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ اس عظیم الشان لشکر سے ٹکرا کر خود کو موت کے منہ میں دھکیلنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور بغیر جنگ و جدال کے مکہ فتح ہو گیا۔ یہ عظیم الشان فتح اسلامی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

بقیہ صفحہ 9 پر

حدیقۃ النساء

جام لقاء پلا دے

قسط 1

ایک نئے فیچر کا آغاز

خاکسار کی یہ دیرینہ خواہش رہی ہے کہ ممبرات لجنہ اور ناصرات کے لیے ہفتہ میں کم ازکم ایک صفحہ مختص ہو کیونکہ بانی لجنہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ اگر پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کر لو۔ تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے۔

(الازہار لذوات الخمار صفحہ 641)

کچھ عرصہ قبل کینیڈا سے مکرم شیخ ریاض محمود نے ایڈیٹر کے نام ایک خط میں بچیوں اور مستورات کے لیے ایک صفحہ مختص کر کے چھوٹے چھوٹے دلچسپ انداز میں واقعات پر مشتمل مضامین شامل اشاعت کرنے کی درخواست کی۔ جس پر خاکسار نے محترمہ امۃ السلام ملک صدر لجنہ کینیڈا کے ساتھ ڈسکس کر کے تعاون کی درخواست کی۔ جس کو آپ نے بخوشی قبول کر کے الفضل کی ایک مستقل قاری، مضمون نگار اور شاعر محترمہ مسز صدف علیم صدیقی کے سپرد اس اہم کام کی ذمہ داری لگائی۔ محترمہ صدف علیم صدیقی نے صحابیات رسول کریمؐ اور خواتین مبارکہ کی سیرت بحر بے کنار سے اپنے نام کے مترادف سپیاں اور مونگے ڈھونڈ کر ابتدائی طور پر پانچ مضامین تیار کر کے بھجوائے۔ جس کی ابتداء ''جام لقا پلا دے'' کے عنوان سے کی جا رہی ہے۔ یہ ہر منگل کو ''حدیقۃ النساء'' کے نام سے شامل اشاعت ہوا کرے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ

اس فیچر اور سلسلہ کا مقصد احمدی خواتین کو ایک مومن مسلمان عورت کا اصل چہرہ دکھانا مقصود ہے تا ان خواتین مبارکہ کی سیرت و سوانح کو پڑھ کر ہم اپنے حقیقی مقام کو پہچان سکیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہ صرف اپنے گھروں بلکہ پورے اسلامی معاشرے کو جنت نظیر بنا سکیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

دنیا بھر کی اہل قلم خواتین وممبرات لجنہ سے بھی اس میں حصہ ڈالنے اور اس فیچر کی کامیابی کی دعا کی درخواست ہے۔ ایڈیٹر

صحابیات اور دیگر بزرگ خواتین کا ذکر خیر کرنے سے پہلے اس زمانے اور اس ماحول کا تھوڑا ذکر کرنا بھی ازحد ضروری ہے کہ وہ کیسے حالات تھے اس معاشرے کے افراد عورتوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے تھے؟ کیا ان کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام تھا کیا؟ ان کو مردوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ یہ سب سوالات جب ہمارے ذہنوں میں اٹھتے ہیں تو حضرت نواب مبارکہ بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحریر کردہ ایک نظم جو اس دور میں خواتین کے ساتھ سلوک ہوتا تھا اسے بیان کرتی دکھائی دیتی ہے یوں سمجھو جیسے دریا کو کوزے میں بند کر دیا جائے۔

اس کے اشعار کچھ اس طرح ہیں۔

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن، جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں، جب دنیا میں تو آتی تھی

یعنی بیٹی کی پیدائش کے ساتھ اس سے نفرت و حقارت کا سلسلہ شروع ہو جایا کرتا تھا۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کی حالت بتاتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ
(النحل: 59)

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ غم سے سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اسے) ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر جاہلیت کے کسی فعل پر سزا دینا جائز ہوتا تو میں زندہ درگور کرنے والے کو سزا دیتا۔''

(نبیوں کا سردارؐ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صفحہ 73)

اسلام جو سلامتی کا مذہب ہے اس نے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے۔

خدا تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ
(النحل: 98)

ترجمہ: مرد یا عورت میں سے جو بھی نیکیاں بجالائے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اُسے ہم یقیناً ایک حیاتِ طیّبہ کی صورت میں زندہ کر دیں گے اور انہیں ضرور اُن کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے جو وہ کرتے رہے۔

بیٹی کی پرورش کرنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں خوشخبری دی کہ

فَلَہُ الْجَنَّۃُ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَھُنَّ

(ابو داؤد)

ترجمہ: جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی ان کو تعلیم تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسنِ سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لڑکیوں کی پرورش سے دوچار ہو، پھر ان کی پرورش سے آنے والی مصیبتوں پر صبر کرے تو یہ سب لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بنیں گی''

(ترمذی)

پھر بیویوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی گئی انہیں پاؤں کی جوتی کی بجائے گھر کی ملکہ بنایا گیا۔ کہیں آبگینے سے انکی مشابہت کی گئی کتاب رحمان میں خدا تعالیٰ نے مردوں سے کہا کہ

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (البقرہ: 188)

ترجمہ: وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

ان سے تسکین حاصل کرنے کو کہا گیا انہیں پاک کھیتیوں سے تشبیہ دی گئی جو نیک نسل کی بنیاد رکھنے والیاں ہوتی ہیں۔

ارشادِ نبوی ہے: یہ دنیا ساری مال و متاع ہے اور دنیا میں سے سب سے قیمتی چیز نیک بیوی ہے

(سنن نسائی)

عورت ہونا تھی سخت خطا، تھے تجھ پر سارے جبر روا
یہ جرم نہ بخشا جاتا تھا تا مرگ سزائیں پاتی تھی

اس زمانے میں جب عورت کی پیدائش ہی قابل شرم تھی اس کے ساتھ اور کسی نیکی کی توقع رکھنا ہی عبث ہے۔ اسے جانور سے بدتر زندگی گزارنی پڑتی تھی۔ وراثت میں تقسیم ہوتی سوتیلے بیٹے تک اس کے مالک بن بیٹھتے۔ تعداد ازدواج جس کی کوئی حد نہ تھی۔ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا تو کجا اس بارے میں سوچنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ صرف مردوں کے دل بہلانے کا سامان تھی۔ مرد اس بات پر فخر کا اظہار کیا کرتے تھے کہ ہم نے عورت کو کس طرح اپنے قدموں تلے رکھا ہوا ہے۔

گویا تُو کنکر پتھر تھی احساس نہ تھا جذبات نہ تھے
توہین وہ اپنی یاد تو کر! ترکہ میں بانٹی جاتی تھی

اور کہاں یہ وقت بھی آیا کہ اپنی ازواج سے حسن سلوک کرنے والے کو سب سے بہتر قرار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

''خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَ ھْلِہٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ''

(مشکوٰۃ)

تم میں سے بہتر وہ ہے جس کا اپنے اہل و عیال سے سلوک اچھا ہے اور مَیں تم میں سے اپنے اہل سے اچھا سلوک کرنے کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

بیٹی سراپا رحمت قرار پائی بہن عزت کی حقدار بیوی نصف ایمان کی امین ماں کا درجہ ایسا بیان کیا کہ اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ۔ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

غرض وہ کونسا جائز حق ہے جو اسلام نے عورت کو نہ دیا ہو۔ اسے وراثت کا حق دار بنایا اسے اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق دیا خلع کا حق دیا۔ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی۔ جنگ میں سپاہیوں کی مدد کرنے کی اجازت۔

وہ رحمتِ عالم آتا ہے تیرا حامی ہو جاتا ہے
تُو بھی انساں کہلاتی ہے سب حق تیرے دلواتا ہے
ان ظلموں سے چھڑواتا ہے
بھیج درود اس محسن پر تُو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰؐ نبیوں کا سردار

اسلام نے عورت کو جب یہ سب حقوق دے دیئے تو پھر اس وقت کی عورت نے نہ صرف ان حقوق کا درست استعمال کیا بلکہ اپنے فرائض کو تندہی کے ساتھ انجام دیا۔ اس کو اگر بیٹی کے طور پر جنت میں گھر بنانے کی ضامن بنایا گیا تو اس نے اپنے والدین کے لیے دنیاوی گھر کو مثل جنت بنایا۔ اگر بہن بنا کر اسے بھائی کے برابر حقوق اور وراثت کا حق دار بنایا تو وہ بھائیوں کی عزت میں اضافہ کرنے والی بھی بنی۔ اسے اگر جسمانی کمزوری اور جذباتی طور پر نازک ہونے کی وجہ سے آبگینہ سے تشبیہ دی تو اس نے وقت پڑنے پر اپنے آپ کو آہنی وجود ثابت کیا۔ دشمنان دین کے سامنے وہ سیسہ پلائی دیوار بن گئی۔ اس کے قدموں تلے جنت آئی تو اس نے بڑے بڑے سورماء پیدا کیے۔ اپنی کوکھ سے ایسے ایسے ہیرے جنے جنہوں نے اسلام کی ترقی کے لیے ان تھک جدوجہد کی۔ وہ نبیوں کی ماں بنی اس نے اولیاء اللہ پیدا کیے۔ دین پر مرمٹ بقیہ صفحہ 12 پر

بقیہ: ’’اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے‘‘...... از صفحہ 4

بقیہ: ’’اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے‘‘...... از صفحہ 4

وہ دعا جو انہیں لکھ کر دی گئی اور اب تک غیر مطبوعہ تھی۔ خاکسار کو 3جون 2005ء میں سفر کوئٹہ میں خلیفہ جمیل احمد صاحب وخلیفہ طاہر احمد صاحب سے ملی۔ جو یہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَجۡمَعِ الرَّحۡمَةِ وَبَارِكۡ عَلٰی اَحۡمَدَ شَفِیۡعِ الۡمُذۡنِبِیۡنَ وَالۡمُذۡنِبَاتِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ وَلَا حَوۡلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَھُوَاَرۡحَمُ الرَّحِمِیۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔مَالِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ اِھۡدِنَاالصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِالۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ۔ آمین۔

وَالَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا فَفِی الۡجَنَّةِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ۔رَبِّ ارۡحَمۡ عَلٰی نُوۡرِ دِیۡنِ وَامۡرَأَتِهٖ وَنَجِّھِمَا مِنۡ ھُمُوۡمِھِمَا وَاعۡطِ لَھُمَا وَلَدًا صَالِحًا وَاجۡعَلۡ لَّھُمَا بَرَكَةً وَّشِفَآءً بِكِتَابِیۡ ھٰذَا بِنَبِیِّكَ وَكِتَابِكَ وَرَحۡمَتِكَ الَّتِیۡ لَاتُغَادِرُصَغِیۡرَةً وَّلَا كَبِیۡرَةً رَبِّ فَتَقَبَّلۡ دَعۡوَتِیۡ وَلَا تَذَرۡھَا فَرۡدًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُالۡوَارِثِیۡنَ۔ آمِیۡن ثُمَّ آمِیۡن

ترجمہ: اے اللہ ! رحمتیں بھیج محمد ﷺ پر جو رحمت کے جمع ہونے کی جگہ ہیں اور برکتیں بھیج احمدؐ پر جو گناہگار مردوں اور عورتوں کے شفاعت کرنے والے ہیں۔ اور آپؐ کی آل اور سب اصحاب پر بھی۔ اور کوئی طاقت اور قوت کسی کو حاصل نہیں سوائے اللہ کے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے جو بے حد مہربان اور باربار رحم کرنے والا ہے۔ جزاسزا کے دن کا مالک ہے۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی ہم مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ ان لوگوں کی راہ پر جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا (راستہ)۔ آمین (قبول فرما)

اور وہ لوگ جو خوش بخت ہیں جنت میں ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔ یہ انعام نہ ختم ہونے والا ہے۔ میرے رب! رحم کر نوردین اور اس کی بیوی پر اور ان دونوں کو ان کے غموں سے نجات دے اور ان کو نرینہ نیک اولاد عطافرما اور میری اس تحریر کو ان کے لئے برکت اور شفابنادے۔ اپنے نبی کے وسیلہ سے اور اپنی کتاب (قرآن) کے طفیل اور اپنی اس رحمت کے صدقے جو کسی چھوٹے اور بڑے گناہ کو نہیں چھوڑتی (مگر ڈھانپ لیتی ہے۔)

میرے رب! میری دعا قبول کر اور ان کو تنہا نہ چھوڑ کہ تو تمام وارثوں سے بہترین وارث ہے۔ (آمین ثم آمین) اے اللہ قبول فرما پھر قبول فرما۔

اللہ کرے کہ ہر صاحب اولاد ان نصائح کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اولاد کو اسی نیکی اور تقوی کے قالب میں ڈھالنے والا ہو۔ اپنی اولاد سے شرک کی حد محبت کرنے سے بچنے والا اور اسے خدا کی امان میں دینے والا ہو اس کے لیے خدا سے گڑگڑا کر دعائیں کرنے والا ہو کہ وہ ہمیشہ سیدھے راستے پر چلنے والی ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خیال رکھنے والی ہو۔ آمین ثم آمین

(ابو سعید)

بقیہ: قرآنی انبیاء...... از صفحہ 7

بقیہ: قرآنی انبیاء...... از صفحہ 7

خانہ کعبہ کا طواف کیا اور وہاں موجود مشرکین کے 360بتوں کو آپؐ نے اپنی چھڑی سے پاش پاش کردیا۔ آج ایک لمبے عرصے کے بعد خانہ کعبہ بتوں کی آلائشوں سے پاک ہو چکا تھا۔ توحید کا حقیقی علمبردار توحید کے مرکز میں خدائے واحد کا نام بلند کر رہا تھا اور کفار مکہ سہمے سہمے اپنے متعلق فیصلے کے منتظر تھے۔ اور پھر آپؐ نے ایسا عظیم الشان فیصلہ کیا جو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ نے تمام مخالفین کو معاف کر دیا اور کہا کہ جاؤ تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ تم سب آزاد ہو۔ اس عظیم فتح کے نتیجے میں لوگ اب فوج در فوج مسلمان ہونے لگے اور مسلمان کی تعداد ہزاروں سے لاکھوں تک پہنچ گئی۔

10 ہجری میں ہونے والے حج کے موقعے پر ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد مسلمان شریک تھے۔ یہ حج آنحضرت ﷺ کا آخری حج تھا کیونکہ اس کے بعد 11ہجری کے آغاز میں ہی آپؐ علیل ہوگئے اور یہ علالت آخری علالت ثابت ہوئی۔

19 صفر 11ہجری کو آپؐ قبرستان تشریف لے گئے وہاں سے واپس لوٹے تو آپؐ کی طبیعت ناساز تھی۔ پہلے سر میں درد ہوا اور پھر بخار چڑھ گیا اور چند روز میں ہی اس بیماری نے آپؐ کو بہت کمزور کر دیا۔ اور نماز کے لئے مسجد جانا بھی مشکل ہوگیا۔ تاہم پھر بھی جب آپؐ کی طبیعت سنبھلتی آپ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لے جاتے۔ جب آپؐ کی کمزوری زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا ارشاد فرمایا۔ وفات کے روز آپؐ کی طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ فجر کی نماز کا وقت تھا آپؐ نے اپنے حجرے سے پردہ اٹھا کر مسجد میں جھانک کر دیکھا تو مسلمان حضرت ابو بکر صدیقؓ کی امامت میں نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ آپؐ کے چہرے پر یہ منظر دیکھ کر بشاشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آپؐ جس عظیم مقصد کے لئے مبعوث کئے گئے تھے واقعی آپؐ نے اس مقصد کو پورا کر دیا تھا۔ آپؐ اپنے پیچھے ایک متقی اور عبارت گزار جماعت چھوڑ کر جا رہے تھے۔ یہ پیر 12 ربیع الاول 11 ہجری کا دن تھا اور اسی روز ظہر کے قریب آپؐ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ)

صحابہؓ کی دنیا اندھیر ہوگئی۔ اپنے محبوب آقا سے جدائی کا تصور ہی ان کے ہوش اڑائے دے رہا تھا۔ وہ غم کی شدت سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے اور حضرت عمرؓ تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ جس کسی نے یہ کہا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ وفات پا گئے ہیں میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ یہ غم کی شدت کا نتیجہ تھا جس نے سب کو بے قابو کر رکھا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو توفیق دی کہ وہ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اے لوگو! (قرآن کریم کہتا ہے کہ) محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے ایک رسول تھے اور آپؐ سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں تو کیا اگر محمد فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔

اس آیت کا پڑھنا تھا کہ لوگوں کو ہوش آ گیا وہ جان گئے کہ ان کا پیارا رسول ﷺ جسمانی طور پر ان سے جدا ہو چکا ہے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ پیارا رسول ﷺ اپنی محبت کی وجہ سے اپنی یادوں کی وجہ سے اپنی تعلیمات کی وجہ سے اور اپنی شریعت کے لحاظ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق آپؐ کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور اس کے بعد مغرب کے قریب صحابہؓ نے آپؐ کی نماز جنازہ پڑھنا شروع کی جنازہ کی جگہ کشادہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت نماز ادا کرتی رہی۔ اور حضرت عائشہؓ کے اسی حجرے میں جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آج کا دن کتنا دردانگیز تھا۔ آج وہ روشن سورج جس نے اپنی نورانی روشنی سے سارا عالم منور کر دیا تھا غروب ہو چکا تھا۔ ہم آج بھی اس بات کو سوچ کر کانپ اٹھتے ہیں کہ جس وقت آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس لوٹ رہے ہوں گے تو ان کے دل کتنی اذیت محسوس کر رہے ہوں گے ان کی دنیا تو اس روشن سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی تاریک ہوگئی تھی۔ ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس صدمے کے بالمقابل کتنے حقیر لگ رہے ہونگے۔ آپؐ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں لڑنے کا عہد کرنے والے صحابہؓ اس بات سے قاصر تھے کہ اس سفر میں آپ کے ساتھ جاسکتے۔ ان کے دل پھٹ رہے تھے اور دنیا ویران محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس سے فرار ناممکن تھا۔ لیکن اس سے بھی عظیم تر حقیقت یہ تھی کہ وہ روشن سورج جسمانی لحاظ سے غروب ہونے کے باوجود روحانیت کے آسمان پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اور ہر زمانے میں اسی شان و شوکت کے ساتھ چمکتا رہا ہے آج بھی چمک رہا ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ چمکتا رہے گا اور یوں یہ عظیم الشان نبی ہمیشہ کی زندگی پا گیا ہے۔

دعا کا تحفہ

بدی کے مقابلہ میں طاقت حاصل کرنے کی دعا

جب عزیز مصر کی بیوی اور دیگر عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بدی کی طرف مائل کرنے کی تدبیر کی تو حضرت یوسفؑ نے یہ عاجزانہ دعا کی جس کے متعلق قرآن شریف میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کیا اور ان عورتوں کی تدبیر سے حضرت یوسف علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔

رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ ۚ وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ كَیۡدَھُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡھِنَّ وَاَكُنۡ مِّنَ الۡجٰھِلِیۡنَ ﴿۳۴﴾

(یوسف:34)

اے میرے رب! جس بات کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ میں جانا مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر ان کی تدبیر (کے بدنتیجہ) کو تو مجھ سے نہیں ہٹائے گا تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

(قرآنی دعائیں از خزینۃ الدعا مرتبہ علامہ ایچ ایم طارق ایڈیشن 2014ء صفحہ 13)

مرسلہ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی

درثمین احمد۔ جرمنی

اطاعت خلافت، کامرانی کی کلید

قسط 1

ارشاد باری تعالیٰ ہے:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ

(النساء:60)

ترجمہ’’اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بھی۔‘‘

حضرت مسیح موعودؑ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:’’ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ یعنی اللہ اور رسول اور اپنے بادشاہوں کی تابعداری کرو‘‘

(شہادت القرآن ،روحانی خزائن جلد 6صفحہ 332)

اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے ....

(ضرورت الامام ،روحانی خزائن جلد 13صفحہ493)

...اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی۔صحابہ رضوان علیہم اجمعین پر کیسا فضل تھا اور وہ کس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں فنا شدہ قوم تھی۔ یہ سچ بات ہے کہ کوئی قوم ،قوم نہیں کہلا سکتی اور ان میں ملیت اور یگانگت کی روح نہیں پھونکی جاتی جب تک وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے ...اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اس میں یہی توسرّ ہے۔ اللہ تعالیٰ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہوسکتی جب تک اطاعت نہ کی جاوے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہ بڑے بڑے اہل الرائے تھے ،خدا نے ان کی بناوٹ ہی ایسی رکھی تھی ،وہ اصول سیاست سے بھی خوب واقف تھے کیونکہ آخر جب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام خلیفہ ہوئے اور ان میں سلطنت آئی تو انہوں نے جس خوبی اور انتظام کے ساتھ سلطنت کے بار گراں کو سنبھالا ہے اس سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ ان میں اہل الرائے ہونے کی کیسی قابلیت تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان کا یہ حال تھا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا اپنی تمام آراؤں اور دانشوں کو اس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی کو واجب العمل قرار دیا...نا سمجھ مخالفوں نے کہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا گیا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی تھیں۔ یہ اس اطاعت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دوسرے دلوں کو تسخیر کرلیا... تم جو مسیح موعود کی جماعت کہلا کر صحابہ کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ایسی ہو ،باہم محبت اور اخوت ہو تو ایسی ہو۔غرض ہر رنگ میں ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہ کی تھی۔‘‘

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 3سورۃ النساء صفحہ 317-318)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کی روشنی میں جب ہمیں اس حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں’’ کہ مومن کی مثال نکیل والے اونٹ کی سی ہے جدھر اسے لے جاؤ ادھر چل پڑتا ہے۔ اور اطاعت کا عادی ہوتا ہے۔‘‘(مسند احمد بن حنبل جلد 4صفحہ 126۔ ابو داؤد کتاب السنہ باب فی لزوم الطاعۃ) توہمیں اطاعت کا وہ اعلیٰ سبق ملتا ہے جس میں امت کا اتحاد اور خلافت کی بقا ہے۔عمومی طور پر دیکھیں تو ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے کامیابی ملے ،اسے فتح نصیب ہو۔ ایسی خواہش رکھنے والے ہر انسان کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ پیغام ہے کہ وہ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خلافت کے ساتھ وابستہ کرلے۔ اس کے نتیجہ میں اس کی کامیابی اور فتح یقینی ہو گی۔اور اسی مضمون کو حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ایک خطبے میں یوں بیان کیا ہے آپؓ فرماتے ہیں:

’’خلافت کی بنیاد محض اور محض اس بات پر ہے کہ اَلۡاِمَامُ جُنَّۃٌ یُّقَاتَلُ مِنۡ وَّرَآءِہٖ یعنی امام ایک ڈھال ہوتا ہے اور مومن اس ڈھال کے پیچھے سے لڑائی کرتا ہے۔مومن کی ساری جنگیں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس مسئلہ کو ذرا بھی بُھلادیں، اِس کی قیود کو ڈھیلا کر دیں اور اس کی ذمہ واریوں کو نظر انداز کر دیں تو جس غرض کیلئے خلافت قائم ہے وہ مفقود ہوجائے گی ...امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اُٹھاتا ہے اُس کے پیچھے اُٹھاتا ہے اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے، اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے، اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہوجائیں تو ان کیلئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اسی نکتہ کو واضح کرنے کیلئے فرماتا ہے کہ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا یعنی جو خلفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ہمارا وعدہ یہ ہے کہ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ یعنی ان کے طریق کو جو ہم ان کیلئے خود چُنیں گے دنیا میں قائم کریں گے۔ دین کے معنی صرف مذہب کے ہی نہیں۔ گو مذہب بھی اس میں شامل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے۔ خلفاء کے ذریعہ سنن اور طریقے قائم کئے جاتے ہیں ورنہ احکام تو انبیاء پر نازل ہو چکے ہوتے ہیں۔ خلفاء، دین کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں اور مُغۡلَقۡ امور کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ایسی راہیں بتاتے ہیں جن پر چل کر اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مسلمانوں کا دین ہو گا ہم اسے مضبوط کریں گے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خلیفہ کا دین ہو گا اسے مضبوط کریں گے۔جس پالیسی کو خلفاء پیش کریں گے ہم اسے ہی کامیاب بنائیں گے اور جو پالیسی ان کے خلاف ہو گی اُسے ناکام کریں گے۔‘‘

(الفضل 4/ ستمبر 1937ءصفحہ 3-4)

تاریخ اسلام پہ نظر ڈالیں تو کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اپنے پاکیزہ نمونے قائم کئے ہیں۔ رسول کریم ﷺ جب بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم کو کسی بات کا حکم دیتے صحابہؓ اسی وقت اس پرعمل کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے کیونکہ صحابہ کرامؓ میں اطاعت کی روح کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔اس ضمن میں تاریخ اسلام سے یہ ایمان افروز واقعات ملاحضہ فرمایئے۔

آنحضرت ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ قیام کیے ہوئے ابھی تیرہ مہینے ہی گزرے تھے کہ قریش مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کرنے اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا منصوبہ بنایا۔کفار مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابو سفیان کی نگرانی میں ملک شام سے تجارت کرکے واپس مکہ جارہا تھا اور ان کا راستہ مدینہ سے کچھ فاصلے سے گزرتا تھا مکہ والوں نے اس کی حفاظت کے بہانے ایک زبردست لشکر مدینہ کی طرف لے جانے کا فیصلہ کیا۔رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع مل گئی تھی۔اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ پر وحی ہوئی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ دشمن کے ظلم کا اس کے اپنے ہتھیار کے ساتھ جواب دیا جائے۔چنانچہ آپؐ مدینہ سے 313 صحابہ کرامؓ کو لے کر نکلے۔جب آپؐ مدینہ سے نکلے اس وقت تک یہ ظاہر نہ تھا کہ آیا مقابلہ قافلہ والوں سے ہو گا یا اصل لشکر سے۔قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ الٰہی منشا یہی تھی کہ قافلہ سے نہیں، بلکہ اصلی مکی لشکر سے مقابلہ ہو۔آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ اب قافلہ کا کوئی سوال نہیں۔صرف فوج ہی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور صحابہؓ اس بارے میں آپؐ کو مشورہ دیں۔ایک کے بعد دوسرے مہاجر صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ!اگر دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آیا تو ہم اس سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔حضورؐ ہر مہاجر کا جواب سن کر یہی فرماتے چلے جاتے ’’مجھے مشورہ دو۔مجھے مشورہ دو۔‘‘ مدینہ کے انصار اس وقت تک خاموش تھے۔ پھر ایک انصاری سردار مقدار بن اسود اور سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس رضی اللہ عنہما نے رسول کریم ﷺ کی منشا کو سمجھا اور اطاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے فرمایا۔یا رسول اللہ ﷺ مشورے تو آپؐ کو مل رہے ہیں مگر پھر بھی آپؐ بار بار مشورہ طلب فرمارہے ہیں۔تو شاید آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے۔آپؐ نے فرمایا۔ہاں۔اس سردار نے جواب میں کہا:یا رسول اللہ ﷺ شاید آپؐ اس لیے ہمارا مشورہ طلب کررہے ہیں کہ آپؐ کے مدینہ آنے سے پہلے ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر مدینہ میں رہتے ہوئے کسی نے آپؐ پر اور مہاجرین پر حملہ کیا تو ہم آپ اور مہاجرین کی حفاظت کریں گے۔لیکن اِس وقت آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔جس وقت وہ معاہدہ ہوا تھا اُس وقت تک ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہیں ہوئی تھی۔اب جبکہ ہم پر آپؐ کا مرتبہ اور آپؐ کی شان

پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہے۔ یا رسول اللہؐ! اب اس معاہدے کا کوئی سوال نہیں۔ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح آپؐ کو یہ نہیں کہیں گے۔ فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ (المائدہ:25)

یعنی تو اور تیرا رب جاؤ اور دشمن سے جنگ لڑتے پھرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے۔ آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور یا رسول اللہ ﷺ دشمن جو آپؐ کو نقصان پہنچانے کے لیے آیا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں پر سے گزرتا ہوا نہ جائے۔ یا رسول اللہ۔ جنگ تو ایک معمولی بات ہے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر سمندر ہے۔ آپؐ ہمیں حکم دیجئے کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دو اور ہم بلا دریغ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے۔

اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا اور آپؐ ان شاء اللہ ہم کو لڑائی میں صابر پائیں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی۔ آپ ﷺ نے یہ تقریر سنی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ سِيۡرُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ قَدۡ وَعَدَنِيۡ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ وَاللّٰهِ لَكَاَنِّيۡ اَنۡظُرُ اِلٰى مَصَارِعِ الۡقَوۡمِ یعنی تو پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور خوش ہو کیونکہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دو گروہوں یعنی لشکر یا قافلہ جو ہے ان میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہم کو ضرور غلبہ دے گا اور خدا کی قسم! میں گویا اس وقت وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو ہو کر گریں گے۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 354-355)

بعد ازاں مورخہ 17رمضان 2ھ بمطابق 14/ مارچ 624ء کو میدان بدر میں کفار مکہ کے لشکر اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ چند گھنٹوں کی لڑائی میں ہی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ کفار مکہ کو جنگ میں شکست کے علاوہ زبر دست جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس فتح کی اَور بہت سی وجوہات ہیں اور ان میں سے ایک اہم وجہ صحابہ کرامؓ کا مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ و نمونہ تھا۔

اسی طرح ایک اور صحابیؓ کی اطاعت کا بے نظیر نمونہ ملاحضہ کیجیے ’’ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ خطبے کے دوران آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ یہ سنتے ہی آپؓ مسجد سے باہر جس جگہ کھڑے تھے وہیں بیٹھ گئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے فارغ ہوئے اور یہ خبر آپؐ کو پہنچی تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ زَادَكَ اللّٰهُ حِرۡصًا عَلٰى طَوَاعِيَةِ اللّٰهِ وَ طَوَاعِيَةِ رَسُوۡلِهٖ کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی خواہش میں اللہ تمہیں زیادہ بڑھائے۔

(الفضل انٹرنیشنل 14/فروری 2020ء صفحہ 5)

ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ’’رسول کریم ﷺ نے رؤیا میں دیکھا کہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ حج کا وقت نہیں تھا، آپ نے عمرہ کی نیت کی اور صحابہؓ کو بھی اطلاع دی۔ چلتے چلتے آپ کی اونٹنی حدیبیہ کے مقام پر بیٹھ گئی اور زور لگانے کے باوجود نہ اُٹھی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے خدا تعالیٰ نے بٹھا دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ ہم آگے نہ جائیں۔ مسلمانوں کی آمد دیکھ کر کفار نے بھی اپنا لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ کیونکہ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان طواف کریں۔ رسول کریم ﷺ ان کے آدمیوں کی انتظار میں تھے کہ آئیں تو شائد کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ ان کی طرف سے مختلف نمائندے آئے اور آخر کار صلح کا فیصلہ ہوا۔ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اِس وقت واپس چلے جائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اب انہوں نے طواف کر لیا تو ہمارے پرسٹیج میں فرق آئے گا اس لئے انہوں نے یہی شرط پیش کی کہ اب کے واپس چلے جائیں اور اگلے سال آ کر طواف کر لیں۔ دوسری شرط یہ ہوئی کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر رسول کریم ﷺ کے پاس آ جائے تو آپ اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ والوں کے پاس جانا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہوگی۔ بظاہر یہ شرطیں بڑی کمزور شرطیں تھیں اور پھر جس وقت آپ نے اس شرط کو منظور کر لیا، اُسی وقت ایک مسلمان جس کے ہاتھوں اور پاؤں میں کڑیاں اور بیڑیاں پڑی تھیں، جس کا تمام جسم لہولہان تھا نہایت تکلیف سے لڑھکتا اور گِرتا پڑتا وہاں پہنچا اور عرض کیا یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! میرا حال دیکھئے میں مسلمان ہوں اور میرے رشتہ داروں نے اس طرح مجھے بیڑیاں پہنائی ہوئی ہیں اور مجھے شدید تکالیف پہنچا رہے ہیں۔ آج کفار لڑائی کیلئے تیار ہوئے تو میرا پہرہ ذرا کمزور ہوا اور میں موقع پا کر نکل بھاگا اور اس حالت میں یہاں پہنچا ہوں۔ صحابہؓ کو اس کی حالت دیکھ کر اتنا جوش تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ لیکن اہل مکہ کی طرف سے جو شخص سفیر ہو کر آیا ہوا تھا اُس نے رسول کریم ﷺ کا نام لے کر کہا کہ ہمیں آپ سے غداری کی امید نہیں۔ آپ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم میں سے اگر کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو اسے واپس کر دیں گے اس لئے یہ شخص واپس کیا جائے۔ اُس وقت اُن ہزاروں آدمیوں کے سامنے جو اپنے گھروں سے جانیں دینے کیلئے نکلے تھے، ان کا ایک بھائی تھا جو مہینوں سے قید تھا، جس کے ہاتھوں اور پاؤں سے خون کے فوارے پُھوٹ رہے تھے اور جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا تھا۔ اسے دیکھ کر صحابہؓ کی تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں اور وہ دلوں میں کہہ رہے تھے کہ ہم سب یہیں ڈھیر ہو جائیں گے مگر اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ خدا کے رسول دھوکا نہیں کیا کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہے اور اب خواہ ہمارے دلوں کو کتنی تکلیف ہو، اسے پورا کریں گے اور آپ نے کفار کے نمائندہ سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ مجھے واپس کیا جا رہا ہے تو اس نے پھر نہایت مترحمانہ نگاہوں کے ساتھ صحابہؓ کی طرف دیکھا اور کہا تم جانتے ہو مجھے کس طرف دھکیلتے ہو؟ تم مجھے ظالم لوگوں کے قبضہ میں دے رہے ہو؟ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کو تاب نہ تھی کہ آنکھ اُٹھا سکے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ لیکن صحابہ کو اس کا رنج اتنا تھا، اتنا تھا کہ جب صلح نامہ پر دستخط ہو چکے تو رسول کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ اس سال ہمیں عمرہ کا موقع نصیب نہ ہو۔ جاؤ اور اپنی قربانیوں کو ذبح کر دو۔ آپ نے یہ فرمایا اور وہ صحابہؓ جو آپ کے ایک اشارے پر اُٹھ کھڑے ہوتے اور نہایت بے تابی کے ساتھ فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی کوشش کرتے تھے، ان میں سے ایک بھی نہ اُٹھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اُمّہات الْمُومنین میں سے ایک بی بی تھیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ آج میں نے وہ نظارہ دیکھا ہے جو نبوت کے ایام میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے باہر جا کر صحابہؓ سے کہا کہ اپنی قربانیاں ذبح کر دو مگر ان میں سے ایک بھی نہیں اُٹھا۔ انہوں نے کہا یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! آپ کسی سے بات ہی نہ کریں۔ آپ سیدھے جا کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر دیں۔ یہ زجر زبان کی زجر سے بہت سخت تھی اور یہ مشورہ نہایت ہی اچھا تھا۔ چنانچہ آپ باہر آئے، نیزہ لیا اور بغیر کسی مدد کے اپنے جانور ذبح کرنے شروع کر دیئے۔ جونہی صحابہؓ نے یہ دیکھا معاً انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ دَوڑے، بعض رسول کریم ﷺ کی مدد کیلئے اور بعض اپنی قربانیوں کی طرف۔ اور ان کی بے تابی اِس قدر بڑھ گئی کہ وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کیلئے تلواروں کی نوکوں سے ایک دوسرے کو ہٹاتے تھے۔ لیکن گو انہوں نے یہ فرمانبرداری دکھائی اور ان کا جوش بھی ٹھنڈا ہوا مگر پوری طرح نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ جیسا مخلص انسان بھی اپنے جوش کو نہ دبا سکا۔ آپ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! کیا آپ خدا کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم خدا کی سچی جماعت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ! آپ کو ایک رؤیا ہوئی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ ناکامی پھر کس بات کا نتیجہ ہے؟ ہم ایمان پر ہوتے ہوئے دب گئے اور کفار کا پہلو بھاری رہا اور ہم نے ایسی ایسی شرطیں منظور کر لیں کہ اپنے ایک بھائی کو سخت مصیبت کی حالت میں دیکھا مگر کچھ نہ کر سکے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک مجھے رؤیا ہوئی تھی مگر کیا میں نے کہا تھا کہ اس سال ہم عمرہ کریں گے؟ میں نے صرف قیاس کیا تھا اور اسی قیاس کی بناء پر آیا اور تم کو معلوم ہے کہ یہ بات شرائط میں ہے کہ ہم اگلے سال عمرہ کریں گے اور خواب پورا ہوگا۔ پھر اس میں ذلّت کی کوئی بات نہیں کہ جو مسلمان ہو اُسے واپس کیا جائے اور جو کافر ہو اسے اپنے ہم مذہبوں کے پاس جانے دیا جائے۔ جس مسلمان کو کفار پکڑ کر رکھیں گے وہ تبلیغ ہی کرے گا اور جو مسلمان مرتد ہو جائے تم بتاؤ ہم نے اُسے رکھ کر کرنا ہی کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ ان کا جوش کم ہوا مگر پوری طرح فرو نہیں ہوا۔ اور پھر وہ اس شخص کے پاس پہنچے جسے اللہ تعالیٰ نے صدیق کہا ہے اور جس کی نبض محمد رسول اللہ ﷺ کی نبض کے تابع چلتی تھی اور کہا ابوبکرؓ؟ کیا محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں؟ کیا ہمارا دین سچا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے خواب نہیں دیکھا تھا کہ ہم عمرہ کر رہے ہیں، پھر ہوا کیا؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا عمرؓ! کیا محمد مصطفی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم ضرور اسی سال عمرہ کریں گے؟ خواب صرف یہی ہے کہ ہم عمرہ کریں گے سو ضرور کریں گے۔ تب حضرت عمرؓ کا دل صاف ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ صداقت جس طرح رسول کریم ﷺ کی زبان سے نکلی اُسی طرح ابو بکر کی زبان سے بھی نکلی۔ تو صلح حدیبیہ بڑا بھاری امتحان تھا، بڑی آزمائش تھی مگر صحابہؓ نے انتہائی اطاعت کا نمونہ دکھایا۔

(خطبات محمود جلد 18صفحہ 368-371)

(باقی کل ان شاءاللہ)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

بقیہ: جام لقاء پلا دے...... از صفحہ 8

جانے والے جوان پیدا کیے جو یہ کہتے دکھائی دیئے کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔

’’یہ حضرت مقداد بن عمروؓ کے وہ تاریخی فقرات ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر آپؓ نے کہے تھے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اسلام کی پہلی خاتون شہید ہیں کون کونسے ظلم وستم کے پہاڑ ہیں جو آپؓ پر نہ توڑے گئے۔ لیکن آپؓ نے کمال استقامت سے ان سب مظالم کا سامنا کیا اور جان قربان کر دی لیکن اپنے ایمان کا سودا نہ کیا۔ حضرت ام عُبَیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حمامہؓ المعروف ام بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہاان سب خواتین پہ کفار نے ظلم وستم کی انتہا کر دی لیکن یہ سب اس محسن انسانیتؐ کے حسن سلوک کی بدولت جو تعلق اپنے خالق حقیقی سے بنا چکی تھیں اس سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں۔

ایک اور واقعہ جس سے مسلمان عورت کی شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ام عمارہؓ ایک صحابیہ تھیں۔ غزوہ احد میں جب ایک اچانک حملہ کی وجہ سے بڑے بڑے بہادران اسلام کے پاؤں تھوڑے سے وقت کے لیے اکھڑ گئے تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کی حفاظت کے لیے پہنچ گئیں۔ کفار آپؐ کو گزند پہنچانے کے لیے نہایت بے جگری کے ساتھ حملہ پر حملہ کر رہے تھے۔ ادھر آپؐ کے گرد بہت تھوڑے لوگ رہ گئے تھے۔ جو آپؐ کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں پر کھیل رہے تھے۔ ایسے نازک اور خطرناک موقعہ پر حضرت ام عمارہؓ آپؐ کے لیے سینہ سپر تھیں۔ کفار جب آنحضرت ﷺ پر حملہ کرتے تو وہ تیر اور تلوار کے ساتھ ان کو روکتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا کہ میں غزوہ احد میں ام عمارہؓ کو برابر اپنے دائیں اور بائیں لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ابن قیمہ جب آنحضرت ﷺ کے عین قریب پہنچ گیا تو اسی بہادر خاتون نے اسے روکا۔ اس کمبخت نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس جانباز خاتون کا کندھا زخمی ہوا۔ اور اس قدر گہرا زخم آیا کہ غار پڑ گیا۔ مگر کیا مجال کہ قدم پیچھے ہٹا ہو بلکہ آگے بڑھ کر اس پر خود تلوار سے حملہ آور ہوئیں اور ایسے جوش کے ساتھ اس پر وار کیا کہ اگر وہ دوہری زرہ نہ پہنے ہوئے ہوتا تو قتل ہوجاتا۔

(سیرۃ ابن ہشام ذکر احد)

غزوہ احد میں اس خاتون کا واقعہ جو ہم سب کو ازبر ہے کہ جب کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ اڑا دی تھی تو ایک انصاری خاتون ہر آنے جانے والے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کرتیں کسی نے بتایا کہ تمہارے والدشہید ہو گئے ہیں اس نے تڑپ کر پھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کی اس نے باری باری اس کے بھائی کے خاوند اور پھر بیٹے کی خبر سنائی لیکن وہ بدستور یہی دہراتی رہی کہ میرے آقا و مطاع خیریت سے ہیں اور ان کی خیریت پتا چلنے کے بعد بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ کُلُّ مُصِیْبَۃٍ جَلَلٌ۔ یعنی اگر آپ زندہ ہیں تو پھر سب مصائب ہیچ ہیں۔ یہ تو محض چند ایک مثالیں ہیں جو اس وقت پیش کیں ہیں ورنہ اس طرح کی خواتین کے کارناموں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ اب ہم جو حقیقی اسلام یعنی احمدیت کو مان کر خود کو احمدی مسلمان کہلواتی ہیں اب ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم ان خواتین کو اپنا رہنما بنا کر ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی دنیا وآخرت کو سنواریں اور اپنی گود میں وہ نسل پروان چڑھائیں جو خلیفہ وقت کی ہر لحاظ سے سلطان نصیر ہو۔ اسلام احمدیت کا جھنڈا پوری دنیا میں لہرانے والی ہو۔ آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

نکلیں تمہاری گود سے پل کر وہ حق پرست
ہاتھوں سے جن کے دین کو نصرت نصیب ہو
ایسی تمہاری گھر کے چراغوں کی ہو ضیاء
عالَم کو جن سے نورِ ہدایت نصیب ہو

(درعدن صفحہ 47 ایڈیشن 2008ء)

(مرسلہ: صدف علیم صدیقی۔ کینیڈا)

ایک سبق آموز بات

ایک انسانی معاشرہ میں جینے کا اصول یہ ہے کہ پھولوں کی طرح شگفتہ اور دل نواز رہیے۔ کانٹوں کی طرح چبھن اور دکھن پیدا کرنے والے نہ رہیے۔ پھول راحت رساں ہوتے ہیں اور کانٹے اذیت رساں۔ جب کسی کی برائی کریں گے کسی کا دل دکھائیں گے تو قابل نفرت بن جائیں گے۔ جب کوئی سامنے آئے تو خندہ پیشانی اور خوش دلی سے ملئے اور جب چلا جائے تو اس کے خیر خواہ رہیے۔

علامہ محمد عمر تماپوری۔ انڈیا

طلوع وغروب آفتاب

21 جون 2022ء

	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	04:11	19:05
مدینہ منورہ	04:02	19:13
قادیان	03:43	19:37
ربوہ	03:23	19:17
اسلام آباد ٹلفورڈ	03:18	21:22

امام وقت اور خلیفہ کی ضرورت

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

’’امام وقت اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم پر جو مومن اٹھاتا ہے اس کے پیچھے اٹھاتا ہے اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے۔ اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے۔ اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے۔ اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہوجائیں تو ان کے لئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔‘‘

(الفضل 4 ستمبر 1937ء)

فقہی کارنر

سوال:۔ ایک عورت اپنا مہر نہیں بخشتی۔

جواب:۔ یہ عورت کا حق ہے اسے دینا چاہئے اول تو نکاح کے وقت ہی ادا کرے ورنہ بعد ازاں ادا کرنا چاہئے، پنجاب اور ہندوستان میں یہ شرافت ہے کہ موت کے وقت یا اس سے پیشتر اپنا مہر خاوند کو بخش دیتی ہیں۔ یہ صرف رواج ہے جو مروت پر دلالت کرتا ہے۔

(البدر 16 مارچ 1904 صفحہ 6)

(داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ برطانیہ)